إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

الحمد للہ کہ

مستند و مفید و معروف

آیات متشابہات

جس میں

اصول تفسیر - آیات محکمات اور آیات متشابہات کی تحقیق

درج ہے

مصنفہ

مولینا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

(مولوی فاضل و مصنف تفسیر ثنائی وغیرہ)

سنہ ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی النبی الکریم

آیات متشابہات

پہلے مجھے دیکھئے

اس رسالہ کے لکھنے سے میری غرض ایک تو یہ ہو کہ یہ رسالہ میری دونوں تفسیروں (تفسیر ثنائی اردو اور تفسیر القرآن بکلام الرحمن عربی) کے لئے بطور مقدمہ کے ہو۔ دوم زمانہ حال میں چونکہ تصنیف و تالیف کا عام چرچا ہے خصوصاً قرآن مجید کے متعلق ہر ایک شخص اپنا مذاق الگ رکھتا ہے جسمیں نہ تو انکو تفسیر بالرائے سے پرہیز ہے نہ خبر نہ غلط سے اجتناب ہے نہ صحیح کا التزام اسلئے کوئی تو امور منصوصہ سے انکاری ہے کوئی انکے خلاف زوائد باتوں کو قرآن مجید سے سمجھتا ہے اسلئے خاکسار اپنی سمجھ اور ناقص علم کے مطابق اس رسالہ میں قرآن کی تفسیر کے اصول جو علمائے محققین کے کلام سے سمجھا ہے عرض کرتا ہے اور ضمناً آیات متشابہات اور آیات صفات کی تحقیق بھی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ

(خاکسار مصنف)

فصل اوّل

قرآن مجید کے سمجھنے کا طریق کیا ہے؟

اس سوال کا جواب قرآن شریف نے جو دیا ہے اس سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا کیونکہ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان، عام قاعدہ ہے۔ قرآن شریف نے اس سوال کا جواب نہایت ہی واضح اور شستہ الفاظ میں دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ہم نے (خدا) نے قرآن شریف کو عربی زبان میں نازل کیا ہے

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف ۱)

تاکہ تم (عرب کے رہنے والے) اسکو سمجھو۔ عرب کے لوگوں کے سمجھنے کی علت اور سبب عربی زبان میں قرآن کا ہونا بتلایا ہے۔

ایک مقام پر اس مضمون کو ابطال نقیض سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ (حم سجدہ ع ۵)

کہ اگر ہم قرآن کو عجمی (عرب کے سوا کسی اور) زبان میں نازل کرتے تو عرب کے لوگ کہتے کہ اس کے احکام مفصل اور واضح کیوں نہیں کئے گئے۔ بھلا یہ کیا بات ہے کہ کلام عجمی اور مخاطب عربی؟"

اس آیت میں بھی اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ قرآن شریف کے سمجھنے کا طریق یہ ہے یعنی عربی زبان کے محاورات کا جاننا ہو۔

ایک مقام پر کفار کے اتہام اور بیہودہ خیال کا جواب دیا ہے مگر ایسے طریق سے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ (نحل ع ۱۴)

کہ سوال مندرجہ عنوان کا جواب بھی ملتا ہے ارشاد ہو کہ ہم (خدا) جانتے ہیں کہ کافر کہتے ہیں اس نبی کو ایک آدمی (غلام) قرآن تعلیم کرتا ہے جس کی طرف یہ اتہام نسبت کرتے ہیں اسکی زبان عجمی

اور یہ قرآن تو فصیح اور بلیغ عربی میں ہے"

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۔ (شعراء ع ۱۱)

ایک مقام پر فرمایا کہ قرآن مجید خدا تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے جسکو روح الامین (جبریل فرشتہ) نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو صاف اور فصیح عربی میں خدا کے عذاب سے ڈراوے"

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (رعد ع ۵)

ایک مقام پر ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن مجید عربی زبان میں حکم بھیجا ہے"

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (طٰہٰ)

ایک جگہ بتلایا کہ ہمنے اسکو عربی میں نازل کیا اور اس میں ہر طرح کے (نیک و بد کاموں کی جزا و سزا کے) وعدے اور وعید بتلائے تاکہ یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا انکو کچھ نصیحت ہو"

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (زمر ع ۳)

ہمنے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بتلائی ہیں تاکہ نصیحت پاویں یہ قرآن عربی فصیح اللسان ہے جس میں کسی طرح کی کجی نہیں"

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ ع ۱)

اسی طرح ہمنے قرآن عربی اتارا ہے تاکہ تو رسول مکہ والوں اور اس کے ارد گرد والوں کو خدا کی بے فرمانی سے ڈراوے"

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ مُوْسٰى إِمَامًا وَّرَحْمَةً وَّهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ (احقاف ع ۲)

اور اس قرآن مجید سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت تھی اور یہ کتاب (قرآن) عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈراوے اور نیک آدمیوں کے لئے خوشخبری ہو"

ان آیات میں اس سوال کا جواب بخوبی ملتا ہے کہ قرآن شریف کے سمجھنے کا کیا طریق ہے جسکا جواب صاف یہی ہے کہ عربی زبان کے محاورات کا معلوم کرنا قرآن شریف

واحد طریق

کے سمجھنے کا **واحد طریق** ہے یہی وجہ ہے کہ جنوں نے جب قرآن شریف کو سرور کائنات کے نماز کے اندر پڑھتے سنا جسکا ذکر قرآن شریف میں متعدد جگہ آتا ہے، تو بغیر تشریح اور توضیح کے قرآن شریف کو مطالب کو سمجھ گئے ایسے کہ اپنی قوم میں جاکر اسکی تبلیغ بھی کردی جس کے مضمون میں کسی طرح سے انکو غلطی نہیں ہوئی جسکی خداوند تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی"

قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (جن ع ۱)

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا أَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ (احقاف ع ۴)

اب سوال یہ ہو کہ کس طرح وہ کلام اللہ قرآن شریف کو سنتے ہی ایسے سمجھ گئے کہ بغیر کسی کے بتلانے کے ایسے ماہر ہو گئے کہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالا تو اس کا جواب غالباً (غالباً کیا یقیناً) یہی ہو کہ بوجہ عربی دانی کے انہوں نے قرآن شریف کو محض سنتے ہی سمجھ لیا۔ ایک مقام پر خدا نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے فہم و تفہیم کا اصول خود ہی بتلایا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ع ۱)

چنانچہ ارشاد ہو کہ ہمنے جو رسول بھیجا ہو وہ اسی امت اور اسکی قوم کے محاورہ کے موافق کلام کرنے والا بھیجا ہے تاکہ انکو واضح کرکے مضمون بتلادے"

اس آیت نے بھی مطلب صاف بتلایا ہے کہ آسمانی کتاب جس زبان میں نازل ہو اس زبان کے سمجھنے سے اس کتاب کی سمجھ آتی ہے"

ان آیات کے علاوہ اس مدعا کی تائید مفسرین کا اجماع بھی کرتا ہے جو کہتے ہیں

وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ (بقرہ ع ۳)
أي في البلاغة وحسن النظم ۔ (جلالین)

کہ آیت تحدی میں جو مثل قرآن کی طلب کی گئی ہے، مثل سے مراد فصاحت بلاغت اور حسن نظم میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ فصاحت و بلاغت کی تعریف میں داخل ہو کہ کوئی لفظ ایسا غیر مانوس اور خلاف نحو کے نہ ہو۔ چنانچہ تلخیص اور اسکی شرح مطول میں لکھا ہے۔

" والفصاحة فی المفرد خلوصه من تنافر الحروف والغرابة ومخالفة القیاس والفصاحة فی الکلام خلوصه من ضعف التالیف وتنافر الکلمات والتعقید مع فصاحتها والضعف ان یکون تالیف اجزاء الکلام علی خلاف القانون النحوی المشتهر فیما بین معظم اصحابه۔ (مطول)۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے آیت یوم یکشف عن ساق کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا کہ جب تم نے قرآن شریف میں کوئی بات

اذا خفی علیکم شئ من القرآن فابتغوہ فی الشعر فانه دیوان العرب اما سمعتم قول الشاعر ؎
قد سن لنا قومك ضرب الاعناق۔ وقامت الحرب بنا علی ساق
ثم قال هو یوم کرب وشدة۔ (تفسیر کبیر)۔

معلوم کرنی ہو تو عرب کے اشعار دیکھا کرو کیونکہ وہ عرب کے دیوان ہیں۔ پھر اس مضمون پر ایک شعر پڑھا اور کہا کہ وہ دن سختی اور تکلیف کا ہے۔"

روی البیهقی فی الشعب عن مالك قال لا اوتی برجل غیر عالم بلغة العرب یفسر کتاب الله الاجعلته نکالا (اتقان۔ ج ۲ نوع ۸۰)

امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی آدمی کو پاؤں جو عربی الفاظ سے ناواقف ہو اور قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہو تو میں اسکی ایسی گت بناؤں کہ دوسروں کو نصیحت ہو۔"

قال مجاهد لا یحل لاحد یؤمن بالله والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب الله اذا لم یکن عالما بلغات العرب (حوالہ مذکور)

مجاہد کہتے ہیں کہ کسی مسلمان کو جائز ہی نہیں کہ قرآن کی تفسیر بغیر عربی دانی کے کرے۔"

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اتقان میں مفسر کے آداب میں علم لغت، علم صرف۔ نحو اور علم معانی بیان کو داخل کرتے ہیں بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ مفسر کی

وتمام هذه الشرائط ان یکون ممتلئا من عدة الاعراب لا یلتبس علیه اختلاف وجوه الکلام (اتقان نوع ۷۸) منقول من ابی طالب

شرائط کا متمم یہی ہے کہ علم نحو میں ایسا مہارت رکھتا ہو کہ ہر قسم کی ترکیب کو جانتا ہو۔

لیعلم ان القرآن قد نزل بلغة العرب صریحا بغیر تفاوت وهم قد فهموا معنی منطوقه بقریحة جبلوا علیها کما قال والکتاب المبین وقال قرآنا عربیا لعلکم تعقلون وقال احکمت آیاته ثم فصلت۔ (فوز الکبیر ملخصا)

ایسا ہی حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فوز الکبیر میں فرماتے ہیں کہ اس بات کو خوب جان رکھو کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور عرب کے لوگوں نے اسکے معنے اپنی طبیعت سے سمجھے تھے جو انکی فطرت میں داخل تھی چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ قرآن واضح عربی میں ہے۔ اور فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اسلئے آیا ہے کہ تم اسکو سمجھو۔"

تقریر بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی صحیح تفسیر وہی ہے جو لغات عرب اور محاورہ عرب العرباء کے مطابق ہو۔ پس اس تقریر سے اس حدیث کے معنے

من قال فی القرآن برایه فلیتبوء مقعده من النار (ترمذی۔ اتقان التفسیر)

بھی واضح ہو جاتے ہیں جس میں ارشاد ہے کہ جو کوئی اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے۔"

اس حدیث کے معنے یہی ہیں کہ جو کوئی خلاف قاعدہ عربیہ اور خلاف محاورہ اہل زبان کسی آیت کی تفسیر کرتا ہو تو اسکی یہی سزا ہے کیونکہ خلاف محاورہ عرب جب وہ معنے اور تفسیر کرتا ہو تو ضرور غلطی کھائیگا۔ حقیقت کی مجاز اور مجاز کی موقع پر حقیقت مراد لیگا۔ یا لغت عرب کو اور زبان کا لفظ قرار دیکر معنے کریگا۔ پس ان دونوں صورتوں بلکہ عربیت کو چھوڑ کر جتنی صورتیں بھی ہونگی سب میں وہ کجرو اور خود غرض ہوگا جس سے ثابت ہوگا کہ وہ دیندار نہیں اگر دیندار ہوتا تو قرآن شریف کی تفسیر قرآن کی زبان (عربی) کی پابندی سے کرتا۔

امام سیوطی نے **اتقان** میں علوم متعلقہ تفسیر (لغت۔ صرف۔ نحو۔ معانی بیان۔ وغیرہ) شمار کرکے امام ابن ابی الدنیا کا قول نقل کیا ہے کہ یہ علوم ہیں۔ جو

فهذه العلوم التی هی کالآلة للمفسر لا یکون مفسرا الا بتحصیلها فمن

مفسر کے لئے بمثل آلہ کے ہیں کوئی شخص انکے بغیر مفسر نہیں ہو سکتا۔ پس جو کوئی ان علوم

فسر بدونها كان مفسرا بالرأي المنهي عنه واذا فسر مع حصولها لم يكن مفسرا بالرأي المنهي عنه - (اتقان - نوع ۷۸)	(لغت - صرف - نحو - معانی - بیان وغیرہ) کے بغیر تفسیر کرتا ہے وہ حقیقت میں تفسیر بالرائے کرتا ہے - اور جب ان علوم کے

مطابق تفسیر کرتا ہے تو وہ مفسر بالرائے نہیں ہے"

اس سے بھی مدعا پر رکہ صحیح تفسیر وہی ہے جو مطابق لغت عرب اور موافق تراکیب بلغاء عرب کے ہوگی) جسکو دو وجہ سے طول دیا ہو ایک تو زمانہ موجودہ کی نئی روشنی اور نیچریت مآب اصحاب کی غلطی کے اظہار کو جو قرآن شریف کی تفسیر کرتے اور معنی بتلاتے وقت اصول عربیہ کا لحاظ نہیں رکھتے - جیسے سرسید احمد خان نیچری بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ وغیرہ کیونکہ جن امور کا انہوں نے انکار کیا ہے وہ لغت عرب سے ثابت ہیں - مثلاً جنت جہنم - حشر نشر - جن - ملائکہ - حور و غلمان - دودھ - شہد - معجزات انبیا - نزول جبرئیل وغیرہ کے وہ معنی نہیں کرتے جو پابندی لغت عرب اور حسب محاورہ اہل زبان ان اشیا کے سمجھے جاتے ہیں بلکہ انکی حقیقت سے انکار کرتے ہیں اور بلا وجہ دیگر قرینہ خلاف اسلوب عربی ایسے معنے کرتے ہیں جنکا اہل عرب کو خیال بھی نہ تھا اور نہ ہو بھی انکی مجبوری ہے - پس اہل حق کے پاس اس کے علاوہ کوئی مضبوط ہتھیار نہیں کہ ان امور کی حقیقت جو اہل عرب نے پابندی محاورہ عرب سمجھی تھی جو ان کے لفظی ترجمہ سے سمجھ میں آتی ہو - وہی صحیح ہیں - اگر لغت کو چھوڑ دیا جاوے تو ان نئی روشنی کے مفسروں کو روکنے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں - دوئم یہ کہ جب میں نے بعض تحریروں اور تقریروں میں اس اصول پر زور دیا کہ صحیح تفسیر کی علامت یہ ہے کہ عربیت کے قاعدے کے مطابق ہو) تو بعض دوستوں نے جو حقیقتاً نیچری بھی نہیں - اس اصول کی نسبت کہا کہ لغت تو نیچری - مرزائی وغیرہ سب پیش کرتے ہیں - تو کیا سب سچے ہیں؟ مگر حقیقتاً ان دوستوں کی غلطی یا جلد بازی ہو بلکہ حقیقت امر سے ناواقفی ہے - کیونکہ یہ لوگ (یعنی کیا تمام مجبور فرقے) محاورہ عرب کو چھوڑ کر ہیرپھیر چلتے ہیں ورنہ کیا جنت - جہنم کی تاویل جو سرسید اور مرزا وغیرہ کرتے ہیں کہ ایک روحانی لذائذ اور تکلیفات

کا نام ہے یہی محاورہ عرب سے ثابت ہوتا ہے؟ یا حدیث نبوی میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود دمشق میں نازل ہوگا اور مرزا دمشق سے قادیان مراد بتلاتا ہے - یہی معنے اہل عرب نے سمجھے تھے؟

پس ثابت ہوا کہ صحیح تفسیر وہی ہے جو محاورہ عرب کے موافق ہو خواہ اس تفسیر کا قائل کوئی پہلے گذرا ہو یا نہ گذرا ہو - بلکہ آج ہی بلکہ آج سے بھی بعد کسی کی سمجھ میں آئی ہو - مگر موافق محاورہ عرب کے ہو - اور غلط تفسیر وہ ہے جو عرب کے محاورہ اور عربی لغت کے خلاف ہو - چاہے اس کا قائل کوئی بھی ہو - پہلے بزرگوں میں سے کسی نے کی ہو - یا نئے لوگوں میں سے کسی کی ایجاد ہو -

بعض دوست یہ سنکر کہ صحیح تفسیر وہ ہے جو لغت کے مطابق ہو کہا کرتے ہیں کہ لغت کا اعتبار کیا ہے - لغت میں تو صلوٰۃ کے معنی تحریک الصلوین یعنی چوتڑوں کا ہلانا اور دعا کے لکھے ہیں اور صیام (روزے) کے معنی بند رہنا لکھا ہے - اور حج کے معنے قصد کرنے کے ہیں گو یہ لغوی معنی لیکر ان احکام سے سبکدوش ہو سکتے ہیں؟ تو ایسے اصحاب کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ آپ کی جلد بازی ہو ورنہ اس سوال کی یہاں گنجائش نہ تھی - صلوٰۃ کے معنی قاموس میں یہ بھی لکھے ہیں عبادۃ فیہا رکوع و سجود یعنی رکوع اور سجود والی عبادت کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں اور صیام کے معنی بھی قاموس میں لکھے ہیں کہ امساک عن الطعام والشراب والکلام والنکاح پس ان معانی میں جو قرآن شریف نے کھانے پینے اور جماع سے صبح سے شام تک بند رہنے کا نام صیام بتلا دیا ہو تو کون ہے جو متکلم کے خلاف منشا کلام کا مطلب بگاڑ سکتا ہے اور حج وغیرہ ارکان کی تفصیل اور ماہیت خود ہی بتلا دی اور حج البیت کہہ دیا تو کون کہہ سکتا ہے کہ لغت کے خلاف کہا (کسی قدر مزید بحث اسکی آئندہ میں ملیگی) -

ہاں مطابقت لغت کے علاوہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن مجید سے بھی مطابق ہو کیونکہ قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہو جو اپنی تفسیر آپ کرتا ہے - چنانچہ

قال العلماء من اراد تفسير الكتاب العزيز طلبه اولا من القرآن فما اجمل منه في مكان فقد فصل في	امام سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ علما نے کہا ہے کہ جو کوئی قرآن کی تفسیر چاہے

من موضع آخر وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر (اتقان - نوع ۷۱)	وہ پہلے قرآن ہی سے تلاش کرے کیونکہ ایک جگہ اگر اس میں اجمال ہو تو دوسری جگہ توضیح

ہے۔ ایک جگہ پر اختصار ہے تو دوسری جگہ مفصل ہو۔

پس قرآن شریف کی صحیح تفسیر وہ ہو گی جس میں مفردات کو تو لغت کی شہادت سے حل کیا ہو اور مضامین کی تفسیر میں قرآنی تفسیر کو درجہ تلاش سے کہیں نہ کہیں ملسکتی ہے جسکا نمونہ تفسیر القرآن بکلام الرحمن (مصنفہ خاکسار ہے) مقدم سمجھا گیا ہو۔ غالباً اس سے کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف کو کتاباً متشابہاً فرمایا ہے یعنی ایک حصہ اسکا دوسرے کی تصدیق اور تفسیر کرتا ہے۔ نیز: **تصنیف را مصنف نیکو کند بیان**۔ عام مسئلہ اصول ہے۔

فصل دوم

قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کا تعلق

کچھ شک نہیں کہ اسلام میں حدیث نبوی بھی ایک دلیل شرعی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہم کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چال چلن اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور بڑے زور سے بتلایا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (احزاب ع ۳)	کہ رسول خدا تمہارے لئے ایک نمونہ ہیں پس اس نمونہ کے مطابق کام کرو۔

ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ یہ ہم نے

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل ع ۶)	یہ کتاب تیری طرف اسلئے نازل کی ہے کہ تو لوگوں کو بیان کرکے اسکا مطلب بتلاوے اور مضمون سمجھاوے تاکہ

وہ فکر کریں۔

یعنی احکام اور اجمال قرآن کی بابت جو تشریح اور تفصیل تو خود کردے اسی کو منظور اور

پسند کریں۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں سب سے بڑے اور ضروری حکم یعنی **صلوٰۃ** (نماز) کو بھی مجمل بیان کرکے پیغمبر علیہ السلام کیطرف سپرد کردیا۔ کہ جس طرح یہ نبی نماز پڑھے تم بھی پڑھو کیونکہ بحکم آیت اولیٰ آنحضرتؐ ہم مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہیں جنکے مطابق عمل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے ورنہ کوئی بتلا سکتا ہے؟ کہ قرآن مجید میں نماز کی ترتیب کہاں ہے؟ چونکہ اس مسئلہ (حدیث کے حجت شرعی ہونے) پر ہم اپنے رسالہ **"حدیث نبوی اور تقلید شخصی"** میں مفصل بحث کر چکے ہیں اسلئے یہاں پر اس بحث کی ضرورت نہیں بلکہ یہاں پر ہم اس بات کو مانکر کہ حدیث نبوی بھی ایک دلیل شرعی ہے اپنا اور علماء اسلام کا مذہب بتلاتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی نسبت چار قسم پر ہے۔ یا یہ کہ ایک حکم قرآن سے ثابت ہو اور حدیث سے بھی ثابت ہو۔ اسکی تسلیم اور تعمیل میں تو کوئی چون و چرا ہی نہیں۔ یا یہ کہ قرآن مجید ایک حکم کے بارہ میں ساکت ہو مگر حدیث شریف سے اسکا پتہ ملتا ہے جیسے کتے بلے کی حرمت یا گوز وغیرہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم وغیرہ۔ یہ قسم بھی سب کے نزدیک بلا تاویل معتبر ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ قرآن کے مخالف حکم حدیث سے ثابت ہو مثلاً قرآن شریف میں کوئی حکم عام ہے مگر حدیث میں اسکو کسی خاص وقت یا حالت اور کیفیت سے مخصوص کیا جاوے جسکو علماء اصول کے محاورہ میں **تخصیص** کہتے ہیں۔ جسکی متفقہ مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں **میتہ** کی حرمت کا حکم ہے۔ مگر حدیث شریف میں مچھلی اور ٹڈی مردہ کے کھا لینے کی اجازت ہے۔ اس (تخصیص کے) مسئلہ میں علماء اسلام کا باہمی اختلاف ہے۔ جمہور حنفیہ اسکے مخالف ہیں اور دیگر علماء (اہلحدیث اور شافعیہ وغیرہ) قریباً کل اسکے جواز کے قائل ہیں۔ مگر یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف کی فرع ہے وہ یہ ہے کہ عموم (قرآنی ہو یا کوئی اور) اپنے افراد و مسمیات میں قطعی شمول رکھتا ہے یا ظنی۔ علماء حنفیہ چونکہ عموم کا شمول قطعی کہتے ہیں اسلئے وہ حدیث خبر واحد

سے

دعوٰی تواتر اور شہرت کو درجہ تک پہنچی ہو، قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں مانتے۔ کیونکہ اس صورت میں (بقول انکے) ادنیٰ کو اعلیٰ پر غلبہ دینا لازم آتا ہے۔ اسلئے کہ حدیث کا وصول تو ظنی ہے اور قرآن کا وصول اور اُس کے عموم کا شمول یقینی۔ پس ظنی سے یقینی کی تخصیص جائز نہیں مگر شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ عموم کا شمول اپنے افراد میں یقینی اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے اسلئے ظنی سے ظنی کی تخصیص جائز ہے چنانچہ توضیح میں (جو اصول فقہ کی مستند کتاب ہے) اس مسئلہ کو الفاظ مندرجہ حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

عند الشافعی ھو دلیل فیہ شبہۃ یجوز تخصیصہ بخبر الواحد والقیاس وعندنا ھو قطعی مساو للخاص فلا یجوز تخصیصہ بالواحد منہما (توضیح جلد ۱)

خاکسار راقم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ عام اپنے افراد کے شمول میں قطعی نہیں اسلئے کہ ایک تو ہم شرعی طور پر دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کو یا کسی شہر یا ملک کے رہنے والوں کو جنمیں زید بھی شامل ہوتا ہے۔ بُرا کہے تو غیبت میں شمار نہیں ہوتا اور اگر زید کا نام لیکر بُرا کہے تو غیبت ہوگی حالانکہ پہلی صورت میں بھی زید کو اس بُرائی کا حصہ پہونچتا ہے پس اگر عام دلالۃ علی الافراد میں خاص کے مساوی ہوتا تو دونوں صورتوں میں غیبت ہوتی حالانکہ نہیں۔

دوسری دلیل اسپر عرف عام ہے۔ قانون وقت میں بھی یہ بات ہے کہ جبتک کسی خاص شخص کا نام لیکر برائی سے یاد کیا جاوے۔ لائیبل کیس (ہتک عزت) کا دعوے نہیں ہوسکتا۔ عموماً چاہے کسی طرح کہا جائے۔ پس اگر دونوں عام اور خاص دلالت میں مساوی ہوتے تو دونوں صورتوں میں دلالت مساوی ہوتی تو اثر بھی مساوی ہوتا حالانکہ نہیں۔

تیسری دلیل وجدانی ہے کہ اگر ہمارے روبرو سامنے کوئی ہمارا نام لیکر یا بصیغہ خطاب ہمکو

[1] حدیث متواتر اسکو کہتے ہیں جسکو آج سے آنحضرت تک ہر زمانہ میں بیان کرنیوالوں کی تعداد اتنی ہو کہ عقل محال جانے کہ اتنی تعداد کے آدمی جھوٹ پر متفق ہوسکیں۔ اور مشہور اسکو کہتے ہیں جو صحابہ کے طبقے میں گو اتنی تعداد نہ رکھتی ہو مگر اُن سے بعد تمام طبقات میں اُسی قدر تعداد ہو۔ منہ

بُرا کہے تو سخت رنج ہوتا ہے اور اگر کوئی ہماری قوم یا ہم پیشہ لوگوں کو جنمیں ہمارا شمول یقینی ہو بُرا کہے تو اُس قدر رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہو کہ بسا اوقات بالکل نہیں ہوتا جبتک کہ لفظ عام بلا تخصیص رہتا ہے۔

پس ان وجوہ سے ہمارے خیال میں یہ رائے صحیح ہے کہ عموم کا شمول ظنی ہے قطعی نہیں جسکا یقینی نتیجہ ہے کہ عام قرآنی کی تخصیص حدیث شریف سے (متواتر ہو یا غیر متواتر) جائز ہے۔ اس ایک ہی اصول سے بہت سے مسائل اختلافیہ حل ہوسکتے ہیں جنکی تفصیل کا موقع نہیں (مسئلہ فاتحہ خلف الامام بھی اسکی فرع ہے)۔

جو احکام شرعیہ بظاہر لغت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں جیسے صلوٰۃ۔ صیام۔ زکوٰۃ حج وغیرہ وہ اسی قسم میں داخل ہیں یعنی عموم لغت کو شریعت نے (کسی آیت میں یا حدیث میں) مخصوص کرکے اپنا مطلب آپ بتلادیا ہے کہ یہاں پر عموم مراد نہیں بلکہ خصوص ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ جب ہم اپنے روزمرہ کے محاورات میں ایک لفظ عام بولکر اسکی تخصیص کرسکتے ہیں تو شریعت نے کسی لفظ کے عموم کو تخصیص کردی تو کیا سوال کیونکہ خدائے تعالےٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا ہے۔ کہ ہمنے تیری طرف کتاب اس لئے اتاری ہے کہ تو اسکو بیان کرکے اصل مطلب اسکا لوگوں کو سنا تاکہ وہ فکر کریں اور نصیحت پاویں۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون (نحل ع ۱۴)

[1] ایسی اصطلاح کو علما کے محاورہ میں حقیقت شرعیہ کہتے ہیں۔ یہ حقیقت شرعیہ ہمیشہ لغت سے مقدم ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ تخصیص یا حقیقت شرعیہ احکام میں ہوتی ہے اخبار میں نہیں۔ جو شریعت میں بطور حکایت گذشتہ یا بطریق پیشگوئی آیندہ کے الفاظ یا عبارات آوے اونمیں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

چونکہ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مُبیّن اور مفسر قرآن قرار دیا گیا ہے اسلئے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جتنے احکام حضرت نے احادیث میں فرمائے ہیں وہ

قال الشافعی کل ما حکم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو مما فہمہ من القرآن قال تعالیٰ انا انزلنا الیک القرآن بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (اتقان نوع ۷۷)

قرآن ہی سے سمجھی ہیں"

مگر ہمارا حق نہیں کہ ہم ہر ایک حدیث کا مخرج قرآن سے جب تک نہ جانیں عمل نہ کریں بلکہ عمل مقدم ہو کیونکہ اجمالی اور کلی طور پر قرآن مجید نے شہادت دی ہو کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی خدا فرماتا ہے ہمارا رسول نفسانی خواہش سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وحی الٰہی سے کہتا ہے پس یہی ایک عام اصول کافی ہو اور یہی ایک اصول نبی اور غیر نبی میں فاصل ہو - غیر نبی (محدث یا مجتہد) جبتک کوئی دلیل شرعی (آیت یا حدیث) نہ بتلائے یا ہم کو اپنے علم سے انکی دلیل کا علم نہ ہو - ہمیں انکا اتباع ضروری نہیں غرض یہ ہے کہ نبی اور رسول کا اتباع مقدم ہے اور غیر نبی کی دلیل مقدم - انہی معنی سے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ مجھے خدا کیطرف سے قرآن ملا اور قرآن جیسی اور ایک چیز بھی ملی ہو" جسکی طرف امام شافعی نے منقولہ سابقہ قول میں اشارہ کیا ہے۔

الا اوتیت القرآن ومثلہ معہ (مشکوٰۃ)

ایک قسم مخالفت حدیث کی قرآن سے یہ ہو کہ قرآن مجید کے الفاظ یا سیاق سے جو مضمون یا مدعا سمجھ میں آوے - حدیث میں اُس کے خلاف ہو - حالانکہ اُس حدیث کو الفاظ سے ایسا معلوم ہو کہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل التحیہ والصلوٰۃ نے اُس حدیث کے مضمون کو آیت کی تفسیر اور آیت کے مدعا کی تعیین فرمایا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت کی بیویوں کو خطاب کرکے حکم دیا جاتا ہو کہ "اے نبی کی

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا

بیویو! جو کوئی تم میں سے ظاہراً بیحیائی کا کام کریگی اُسکو (بہ نسبت دوسروں کے) دوگنا عذاب کیا جاویگا اور یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کریگی اور نیک عمل بھی کریگی ہم اسکو دوگنا اجر دینگے اور بھی اسکے لئے عزت کی روزی تیار

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

کی ہے - اے نبی کی بیویو! تم کسی اور عورت جیسی نہیں ہو - اگر تم تقویٰ شعار ہو - تو اجنبی مردوں سے نرم نرم باتیں کیا کرو ورنہ بے دین فاسق فاجر بیہودہ طمع کریگا - جواب کے موقع پر دستور کی بات ذرا زور سے کہا کرو - اور اپنے گھروں میں تسکین سے بیٹھا کرو اور پہلی کفریہ دستور سے باہر بے پردہ نہ جایا کرو نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو - اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو بس اللہ کو یہی منظور ہے کہ تم **اہل بیت** سے ناپاکی بداخلاقی دور کرے اور ہمیشہ کے لئے دور رکھے اور تمکو پاک صاف کرے اور جو کچھ تمہارے گھروں میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہو اُسکو یاد کیا کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی باریک بین اور خبردار ہو"

ان آیات کا ترجمہ اور سیاق وسباق کلام صاف بتلا رہا ہو کہ **اہل بیت** سے مراد آنحضرت کے ازواج مطہرات ہیں کیونکہ انہی سے خطاب ہے انہی سے سلسلہ سخن ہو - تمام صیغے مؤنث کے ہیں - کلام سابق میں بصیغہ امر حکم کرکے إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ سے انکی دلیل دی ہو یعنی یہ بتلایا ہے کہ یہ احکام تمکو اس لئے دئے جاتے ہیں کہ خدا کو یہی منظور ہو کہ تمکو پاک صاف رکھے - تو پس جو اشخاص پہلے صیغوں سے مخاطب ہیں وہی اہل بیت ہیں - پس اس مدعا کو مرکوز خاطر کرکے ایک حدیث بھی سنئے جو صحیح بھی ہے اور بظاہر ان معنے کی مخالف بھی -

عن ام سلمة قالت في بيتي نزلت انما يريد الله وفي البيت فاطمة وعلي والحسن والحسين فجللهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بكساء كان عليه ثم قال هؤلاء اهل بيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا (ترمذی - حاکم وغیرہ)

آنحضرت کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آیت انما یرید اللہ میرے گھر میں اتری ہے اُس وقت گھر میں حضرت فاطمہ - علی حسن اور حسین رضی اللہ عنہم موجود تھے پس آنحضرت نے ایک کملی کے ساتھ جو آپکے اوپر تھی اُنکو ڈھانپ لیا - پھر فرمایا اے اللہ یہ لوگ (فاطمہ - علی - حسن - حسین رضی اللہ عنہم) میرے **اہل بیت** ہیں - پس تو انکو پاک صاف کر"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی - فاطمہ حسن حسین علیہم السلام کو سرورِ کائنات نے **اہل بیت** کے مصداق تبلایا ہے اور ازواج مطہرات کو انہیں داخل نہیں کیا، حالانکہ آیت کے سیاق سے صحیح اور صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں **اہلبیت** کی مصداق ازواج مطہرات ہیں اسلئے ایسی حدیث کو قرآن شریف سے مطابق کرنے میں علماء اہل حدیث نے یہ روش اختیار کی ہے کہ قرآن کے مطلب کو تو بحال رکھا ہے یعنی اہل بیت سے مراد آیت میں تو ازواج مطہرات ہی ہیں مگر حدیث میں جو آیا ہے اس سے مراد انکا لحوق معنوی ہے یعنی جو فضیلت **اہلبیت** کی قرآن شریف سے ثابت ہوتی ہے اسمیں ان چاروں کو گویا آنحضرت نے شریک کرنے کی دعا کی ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان مرحوم کہتے ہیں (کہ ایک فریق نے تو اہل بیت سے مراد صرف

وتوسطت طائفة بين الطائفتين فجعلت هذه الآية شاملة للزوجات ولعلي وفاطمة والحسن والحسين اما الزوجات فلكونهن المراد في سياق هذه الآيات كما قدمنا ولكونهن الساكنات في بيوته صلى الله عليه وسلم النازلات في منازله ويعضد ذلك ما تقدم عن ابن عباس وغيره واما دخول علي وفاطمة والحسن والحسين فلكونهم قرابته واهل بيته في النسب (فتح البيان)

آنحضرت کی بیویاں لی ہیں ایک نے صرف ان اصحاب اربعہ کو بتلایا ہے) ایک فریق میانہ رو ہیں انہوں نے یہ آیت بیویوں کو اور ان چاروں کو یعنی حضرت فاطمہ - علی حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو شامل بتلایا ہے۔ بیویوں کو اسلئے کہ **آیت کی رو سے بھی وہی مراد ہیں** (یہ لفظ یاد رہے) جیسا ہم پہلے بتلا آئے ہیں اور بیویاں اسلئے بھی مراد ہیں کہ وہی تو آنحضرت کے گھر میں رہتی تھیں (اور وہی اہل بیت یعنی گھر والیاں ہوئیں) اور ابن عباس وغیرہ کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے لیکن یہ چاروں اسلئے اہل بیت ہیں کہ آنحضرت کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

والمراد باهل البيت نساء النبي لانهن في بيته (عن رواية سعيد بن جبير

تفسیر **معالم** اور خازن میں ہے کہ اہل بیت سے مراد آنحضرت کی بیویاں ہیں کیونکہ وہی تو

عن ابن عباس رضي الله عنهما وتلا قوله واذكرن ما يتلى عليكن في بيوتكن من آيات الله وهو قول عكرمة ومقاتل. (معالم - خازن)

ان کے گھر میں تھیں (لڑکی اور داماد اور نواسے تو الگ گھر میں تھے) یہی روایت سعید بن جبیر کی ابن عباس سے ہے جو انہوں نے علاوہ اس دلائل کے واذکرن آخر تک بھی پڑھا تھا کیونکہ صیغہ مؤنث کا ہے اور اس میں آنحضرت کی ازواج کو خطاب ہے) اور یہی قول عکرمہ اور مقاتل کا ہے جو ابن عباس کے شاگرد رشید ہیں)۔

فيه دليل على ان نساءه من اهل بيته (مدارك)

تفسیر مدارک میں ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ آنحضرت کی بیویاں بھی **اہل بیت** ہیں۔

اَهْلَ الْبَيْتِ اي نساء النبي صلى الله عليه وسلم (جلالين)

تفسیر جلالین میں ہے اہل بیت سے مراد آنحضرت کی بیویاں ہیں (دوسرے قول کو چھوڑا بھی نہیں جو حدیث سے ثابت ہوتا ہے)

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - وهذا نص في دخول ازواج النبي صلى الله عليه وسلم ههنا لانهن سبب نزول هذه الآية - وروى ابن جرير عن عكرمة انه كان ينادي في السوق انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة وهكذا روى ابن ابي حاتم عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت قال نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم فقال عكرمة من شاء باهلته انها نزلت في شان نساء النبي صلى الله عليه وسلم فان كان المراد انهن كن سبب النزول دون غيرهن فصحيح وان اريد انهن المراد فقط دون غيرهن ففي هذا نظر فانه قد وردت احاديث تدل على ان اهل البيت اعم

حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت صریح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات اس جگہ داخل ہیں کیونکہ وہی اس آیت کے اترنے کا سبب ہیں اور ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بازار میں پکارا کرتا تھا کہ انما یرید اللہ والی آیت خاص کر آنحضرت کی بیویوں کی شان میں اتری ہے اسی طرح ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا کہ انما یرید اللہ والی آیت آنحضرت کی بیویوں کی شان میں اتری ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ جو کوئی چاہے میں اس سے **مباہلہ** کر سکتا ہوں کہ یہ آیت آنحضرت کی بیویوں کے حق میں اتری ہے یہ روایات نقل کرکے حافظ ابن کثیر نے فیصلہ کیا ہے جو

فاطمة وابناها ثم يحكم بعد ذلك فقال
ثم الذي لا يشك فيه من تدبر القرآن
ان نساء النبي صلى الله عليه وسلم داخلات
في قوله تعالى انما يريد الله ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا فان
سياق الكلام معهن - ولهذا قال
ازواجه من اهل بيته فقرابته احق
بهذه التسمية (ابن كثير)

کوئی قرآن مجید کی آیات پر غور کریگا اسکو
مطلق شک نہ رہیگا کہ آنحضرت کی ازواج
مطہرات اس آیت انما یرید اللہ میں
داخل ہیں کیونکہ سیاق و کلام کی روانی
انہی کے ساتھ ہے لیکن جب بیویاں
آنحضرت کی اہل بیت ہیں تو قرابت
دار اس نام کی زیادہ حقدار ہیں"
(مطلب یہ کہ آیت سے مراد تو ازواج
مطہرات ہی ہیں لیکن حدیث میں جنکا نام آیا ہے وہ بھی ازواج کے ساتھ اس
وصف میں گویا شریک ہیں بہرحال حدیث آیت کی تفسیر نہیں)۔

والاصوب ان ازواجه المطهرات من
اهل بيته واذا كان ازواجه من
اهل بيته فهؤلاء احق واولى بهذه
التسمية (جامع البيان)

ویسا ہی تفسیر جامع البیان میں ہے
کہ صحیح قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات
آنحضرت کے اہلبیت ہیں اور جب بیویاں
اہلبیت ہیں تو یہ لوگ (حضرت فاطمہ
علی حسن حسین علیہم السلام) بھی اس نام کے زیادہ مستحق ہیں (بہرحال آیت
میں بیویاں ہی مراد ہیں)"

واختلف الاقوال في اهل البيت والاولى
ان يقال هم اولاده وازواجه والحسن
والحسين وعلي منهم (تفسیر کبیر جلد ۶)

تفسیر کبیر میں ہے کہ اہلبیت کے
متعلق علما کا اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے
کہ اہلبیت آنحضرت کی اولاد اور
بیویاں سب ہیں اور امام حسن حسین اور حضرت علی بھی انہی میں سے ہیں"

ایسا ہی بیضاوی۔ سراج منیر۔ کشاف۔ ابو سعود وغیرہ تفاسیر معتبرہ میں یہ امر
بوضاحت ملتا ہے کہ اہل بیت سے مراد دونوں گروہ (ازواج مطہرات اور اولاد پاک)
ہیں۔ ازواج مطہرات تو آیت سے اور اولاد پاک حدیث سے۔

ان سب حضرات کی عبارات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث نبوی کو آیت کی تفسیر اور تعیین مصداق میں نہیں لیا۔ کیوں نہیں لیا؟ اسلئے کہ آیت اپنے معنی بتلانے میں مشرح ہے اور حدیث تعیین مصداق اور تفسیر آیت میں خلاف ہے مگر چونکہ حدیث بھی ایک دلیل شرعی ہے اسلئے علما نے دونوں کو معمول بنایا اور ازواج مطہرات کو تو قرآن مجید کی آیت کا مصداق سمجھا اور اولاد پاک کو حدیث شریف کے بیان سے معنوی الحاق کرکے وصف تطہیر میں شریک کر دیا چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کی حاشیہ پر لکھتے ہیں "یہ خطاب ازواج مطہرات کو اور اہل بیت حضرت کے سب گھر والے" لیکن و انا سمجھتا ہوں کہ یہ ساری کوشش اسی لئے ہے کہ ان مفسرین نے حدیث مذکور کو آیت کی تفسیر اور تعیین مصداق نہیں بنایا۔ خاکسار راقم کا بھی مسلک ہے اور یہی صحیح ہے کہ بعض بزرگوں نے اس روش کو خلاف کرکے حدیث کے لحاظ سے آیت کے معنی میں تصرف کرکے اہلبیت سے مراد صرف اولاد پاک کیا ہے لیکن ان بزرگوں کا ایسا کرنا گویا ترجیح مرجوح کی ہے کیونکہ حدیث کو کیسے ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو۔ قرآن کے برابر اسکا قطعی ہونا ہے نہ اسکی دلالت یقینی۔ بہرحال یہ رائے کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر حاکم بنایا جائے۔ بعض بزرگ کہا کرتے ہیں کہ جب کہ سرور کائنات نے آیت کی تفسیر کر دی اور بتلا دیا کہ اہلبیت سے مراد اولاد پاک ہیں تو پھر ہمارا کیا حق ہے کہ ہم اسکے سامنے چون و چرا کریں اور اہل بیت کی تعیین حدیث سے نہ کریں؟ واقعی ان حضرات کا اخلاص اور حدیث شریف سے حسن ظن قابل مدح ہے مگر گذارش ہے کہ اصل مدار وصول حدیث پر ہے چونکہ قرآن شریف کا وصول ہم کو بطریق تواتر ہوا ہے اور حدیث کا بطریق احاد جو اس درجہ کا نہیں اسلئے ان دونوں کی تعیین میں فرق ہے۔ اسی لئے محدثین کا اصل ہے کہ حسن حدیث کے مقابل ضعیف کو نہیں لیتے۔ اور صحیح کے مخالف حسن کو قبول نہیں کرتے۔ پھر صحیح کے مراتب میں سے اعلیٰ مرتبہ کی ہو تو ادنیٰ

کو چھوڑ دیتے ہیں مثلاً صحیحین (بخاری۔ مسلم) کی صحیح حدیث کے مخالف باقی کتب حدیث کی صحیح حدیث متروک کر دیتے ہیں پھر ان دونوں میں باہم تعارض ہو تو بخاری کو مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایسا مسلم اور مشہور ہے کہ شاید کسی حوالہ[1] کی حاجت نہیں لیکن سوال یہ ہو کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب یہ ہو کہ طرق وصول کے لحاظ سے چونکہ حسن کے وصول کا طرق **ضعیف** سے اور **صحیح** کا **حسن** سے اور **صحیحین** کا باقی کتب سے اور **بخاری** کا **مسلم** سے اقوی اور اضبط ہی اسلئے انکو ترجیح ہو پس اسی اصول سے قرآن شریف کو سب پر ترجیح ہے چنانچہ محدثین نے مثال گذشتہ اور آئندہ میں ایسا ہی کیا ہے۔

ہاں اگر ہم وہ حدیث آنحضرت بالمواجہ دیکھتے، سنتے تو یہ طریق اختیار کرتے بلکہ ان بزرگوں کے حسب منشاء آیت کا مطلب توڑ مروڑ کر حدیث کا تابع کرتے یا خود حدیث کا مطلب سرورِ کائنات سے پوچھتے جبکہ بغیر شک گمان ہو کہ یہی حدیث جو حضرت کی زبان الہام ترجمان سے سننے میں آئی جو ہمکو علماء مفسرین سے نقل کی ہے۔

چونکہ مسلمانوں کا ایک گروہ (شیعہ) **اہلبیت** کے معنوں میں بہت ہی مصر ہے کہ وہ اولاد پاک ہی کو اس آیت کا مصداق بتلاتے ہیں اور دلیل میں کچھ اس جیسی احادیث لاتے ہیں جنکے جواب ہم نے علماء اہل سنت کے اقوال سے نقل کئے ہیں مگر اس خیال سے کہ ان مفسرین کے اقوال شیعوں کے لئے شاید کارآمد نہوں اسلئے انہی کی کتابوں سے ان کے مستند بزرگوں کے اقوال بلکہ صحیح حدیثوں کا بیان کرنا مناسب ہے جو اصولاً ایسے جملہ مسائل خلافیہ کا فیصلہ کریں۔

شیعوں کی معتبر کتاب **اصول کافی** کتاب العلم باب الاخذ بالسنۃ میں مذکور ہے

عن ابی عبداللہ علیہ السلام ما لم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔ خطب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فقال یا ایھا الناس ما جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاءکم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ (اصول کافی کتاب العلم)	کہ ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث کتاب اللہ سے موافق نہو وہ غلط ہے۔ آنحضرت نے خطبہ پڑھا تو فرمایا کہ لوگو! جو حدیث تمکو میری طرف سے پہنچے جو کتاب اللہ

[1] صلوٰۃ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع کا ترجیح ہونا اسی اصول پر مبنی ہو۔ ناظم

کے موافق ہو وہ تو میری ہے اور جو حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ میں نے نہیں کہی ہوگی۔

علماء اہلسنت کی تقریرات مذکورہ بالا سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ اولاد پاک بھی معنوی طور سے اہلبیت ہیں گو آیت کی تفسیر اور مصداق نہیں مگر شیعوں کی اس روایت نے ایک ایسا کرارا فیصلہ دیا کہ ان حدیثوں ہی کو غلط کر دیا جنہیں اولاد پاک کے اہلبیت کا ذکر ہو کیونکہ جب رسول نبی یہ ہو بلکہ سرورِ کائنات سے روایت نقل کی ہے کہ جو حدیث قرآن مجید کے خلاف بتلائے وہ حدیث ہی نہیں پس جبکہ قرآن مجید کا صاف فیصلہ اور سیاق کلام ہے کہ اہل بیت آپکی **ازواج مطہرات** ہیں تو پھر ان حدیثوں کے غلط سمجھنے میں کیا کلام؟ مگر اصل انصاف یہی ہے جو علماء اہلسنت نے ان احادیث سے برتا ہے کہ قرآن شریف کے مضمون کو بحال رکھ کر جو مضمون احادیث سے ثابت ہوتا اسکو بھی ثابت فی الشرع مانا ہے اور قرآن و حدیث میں اختلاف رفع کرکے دونوں کو ملایا اور یہی اہل انصاف ہو (دفع الخلاف)۔

قسم کی مثال میں دوسری آیت پیش کیجا سکتی ہو جو بالاتفاق اہل قبا (جو مدینہ سے

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (رکوع ۳)	دو تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا) کی خوش نازل ہوئی تھی اور اس آیت میں سرورِ کائنات کو حکم ہوا کہ منافقوں کی مسجد میں جو قبا والوں کی

مسجد کے مقابل بنی تھی، نماز مت پڑھنا اور اس مسجد میں جسکی بنا ابتداء ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو نماز پڑھا کر۔

اس آیت کے متعلق دو صحابیوں میں **گفتگو** ہوئی کہ یہ مسجد جسکی بابت خدا نے اُسِّسَ عَلَی

تماری رجلان فی المسجد الذی اسس علی التقویٰ من اول یوم فقال رجل ھو مسجد قبا وقال الآخر ھو مسجد رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو مسجدی ھذا (ترمذی)	التقویٰ فرمایا ہے کونسی مسجد ہے؟ قبا کی مسجد یا خود مسجد نبوی ہے۔ دونوں صحابہ جھگڑتے جھگڑتے حضور نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا ھو مسجدی ھذا یعنی وہ میری یہ مسجد ہے۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی مسجد کو اُسّس علی التقوٰی کا مصداق بنایا ہے جیسا کوئی شخص اپنے کلام میں کہے کہ "میرے پاس مولوی صاحب تشریف لائے" تو اس کلام کے متعلق دو آدمی جھگڑتے جھگڑتے اسکے پاس بغرض تعیین مصداق پہنچیں اور یہ سوال کریں کہ "**مولوی صاحب**" سے مراد کون مولوی ہیں؟ تو وہ "**زید**" کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہ زید ہیں! اس طرز کلام سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ تفسیر اور تعیین مصداق ہے اسی طرح اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ مسجد میری ہے مگر چونکہ یہ حدیث سیاق قرآن شریف کے خلاف ہے اس لئے علماء **اہلحدیث** اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں چنانچہ حاشیہ

لکن ظاہر القرآن انہ مسجد قباء ولا شک اللہم الا ان یقال ان الآیۃ الاولی عامۃ تصدق علیہما والحدیث بیان الفرد الکامل وھو مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حاشیہ ترمذی)

ترمذی میں ہے کہ چونکہ ظاہر قرآن یعنی سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسجد جسکی تعریف میں اُسّس علی التقوی فرمایا ہے وہ بالاتفاق قبا والی مسجد ہے پس اس حدیث کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ مگر اتنا کہ یوں تاویل کیجاوے کہ آیت لغوی معنی کے لحاظ سے عام ہے جو دونوں پر صادق ہے اور حدیث میں جو آنحضرت نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ کیا ہے یہ فرد کامل بتلایا ہے۔"

اس توجیہ میں جو محشی نے مسجد نبوی کو فرد کامل قرار دیا ہے یہ بھی اس بات پر مبنی ہے کہ حدیث مذکور تفسیر آیت کی نہیں اور تعیین مصداق نہیں کرتی ورنہ اگر تفسیر ہوتی تو **فرد کامل** کیوں کہتے؟ فرد کامل کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو آیت کی تفسیر نہیں بنایا۔ بھلا ہماری پیشکردہ مثال میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ متکلم نے جو "**مولوی**" کی تفسیر اور تعیین مصداق "**یہ زید**" سے کی ہے تو "**مولوی صاحب**" کے لفظ کا فرد کامل بتلایا ہے؟ نہیں بلکہ اصلی مصداق بتلایا ہے پس اگر محشی مذکور بھی اصل مصداق حدیث سے قرار دیتا تو فرد کامل نہ کہتا فافھم وتدبر۔

اب ذرہ مفسرین کی باتیں بھی قابل غور ہیں۔ صاحب **جلالین** نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ ھو مسجد قباء کما فی البخاری یعنی مسجد اسس علی التقوی قباء والی مسجد ہے مسجد نبوی کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس پر **صاحب کمالین** نے حاشیہ لکھا ہے کہ

او مسجدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسلم عن ابی سعید سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھو مسجدکم ھذا والصحیح الاول ولا منافاۃ فانہ اذا کان مسجد قباء اسس علی التقوی فمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا صدر علی سبیل الرد والتخطیۃ لمن ظن اختصاص مسجد قباء بذالک (کمالین)

یہ مسجد نبوی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ مسلم کی روایت ابو سعید سے ہے کہ میں نے آنحضرت سے پوچھا تو آپنے فرمایا کہ وہ تمہاری یہ مسجد ہے یعنی مسجد نبوی۔ صاحب کمالین خود ہی فیصلہ کرتا ہے کہ پہلی بات صحیح ہے کہ وہ قبا والی مسجد ہے اور اس میں کوئی خلاف نہیں کیونکہ جب قبا کی مسجد تقوی پر مبنی ہے تو آنحضرت کی مسجد تو بطریق اولی تقوی پر مبنی ہوگی پس آنحضرت کا ارشاد کہ وہ مسجد نبوی ہے، اُن لوگوں کی غلطی رفع کرنے کو تھا جو صرف مسجد قبا کو اس سے مخصوص سمجھتے تھے۔"

ایسا ہی **جامع البیان** میں قبا کے سوا دوسری مسجد کا ذکر بھی نہیں کیا صرف اتنا بتلایا ہے کہ ھم اھل قباء یعنی جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ قبا والے ہیں جس سے صاف سمجھ آتا ہے کہ مسجد بھی قبا والی مراد ہے اور حدیث مذکور کو مفسر نے تعیین مصداق اور آیت کی تفسیر میں نہیں لیا۔

علامہ **حافظ ابن کثیر** نے جو فیصلہ اہل بیت والی حدیث کے متعلق دیا ہے اسکی عبارت تو بصفحہ ۱۰ گذر چکی ہے اسکے متصل اس حدیث کو بھی لکھا ہے اور کہا ہے کہ

وھذا بشبہ ما ثبت فی صحیح مسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن المسجد الذی اسس علی التقوی من اول یوم فقال ھو مسجدی ھذا۔ فھذا من ھذا القبیل فان الآیۃ انما نزلت فی مسجد قباء کما ورد فی الاحادیث الاخر ولکن اذا کان ذلک اسس علی التقوی من اول یوم فمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولی

یہ اہل بیت کا عموم اسی طرح ہے جو صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہوا ہے کہ مسجد اسس علی التقوی سے سوال ہوا تو آپنے فرمایا کہ وہ تو میری مسجد یعنی مسجد نبوی ہے۔ پس یہ بھی اسی قسم سے ہے کیونکہ آیت تو قبا والوں کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ اور بھی ایک احادیث میں آیا ہے لیکن جب

علی التقویٰ من اللہ و رضوان خیر	ذو مسجد قبا (اُسِّسَ علی التقویٰ) تقویٰ اور اخلاص پر بنی

ہے۔ تو آنحضرت کی مسجد اس نام کی زیادہ حقدار ہو گی کیونکہ اس کے بانی تو خود سرور کائنات ہیں جن کے تقویٰ اور اخلاص کو کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا)۔

علامہ موصوف کی عبارت مذکورہ صاف بتلا رہی ہے کہ حدیث نبوی (ھو مسجدی ھذا) کو آیت کی تفسیر نہیں بتاتے اور اُس کو آیت کی تعیین مصداق نہیں کرتے بلکہ حدیث کی تاویل کرتے ہیں چنانچہ ہم پہلے بتلا آئے ہیں کہ اگر تفسیر ہوتی تو **فرد کامل یا اولیٰ یا اکمل** کہتے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اولیٰ اور کامل کہنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ حدیث مذکورہ آیت کی تفسیر نہیں جیسا کہ پہلے ہم اپنی پیشکردہ مثال میں بتلا آئے ہیں۔

اسی طرح تمام تفاسیر میں دونوں قول لکھے ہیں گو کسی میں صاف لفظوں میں تطبیق دی ہے کسی میں اشارہ سے مطلب ادا کیا ہو گا غرض اس میں کسی طرح شبہ نہیں کہ حدیث مذکورہ آیت کی تفسیر اور تعیین مصداق نہیں کرتی بلکہ مطلب وہی ہے جو ہم **اہل بیت** کے متعلق بتلا آئے ہیں اور مفسرین کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ سرور کائنات کی مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ میری مسجد کی بنا بھی تقویٰ پر ہے نہ یہ کہ قرآن مجید میں جو مسجد اسس علی التقویٰ مطلقاً یکساں اور غیر معین لفظ کے آیا ہے اس کی تعیین اور تفسیر اس حدیث نے کی ہے؟ نہیں اگر یہ مراد ہوتی تو مفسرین صرف مسجد نبوی کو مصداق قرار دیتے حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

اسی قسم کی تیسری مثال آیت کوثر ہو سکتی ہے۔ جو ایک نالائق گستاخ کے جواب میں

انا اعطیناک الکوثر نزلت فی العاص بن وائل ان شانئک ھو الابتر کان العاص بن وائل اذا ذکر رسول اللہ صلعم قال دعوہ فانہ رجل لا عقب لہ فاذا مات انقطع ذکرہ فانزل اللہ ھذہ السورۃ (معالم)	نازل ہوئی تھی جب کہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی شان میں بے ادبی سے کہا تھا کہ یہ آدمی جب مرجائیگا تو بوجہ نرینہ اولاد نہ ہونے کے اس کا نام بھی مٹ جائیگا۔ پس خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تجھکو کوثر

دیا ہے۔ کوثر کے معنی لغت عرب میں جماعت اور امت کثیرہ کے ہیں چنانچہ **قاموس**

الکوثر الکثیر من کل شیء (قاموس) اما الکوثر فھو فی اللغۃ فوعل من الکثرۃ وھو المفرط فی الکثرۃ قیل لاعرابیۃ رجع ابنھا من السفر بم آب ابنک قالت آب بکوثر ای بالعدد الکثیر (تفسیر کبیر)	یعنی کوثر کثرت والی چیز کو کہتے ہیں۔ **تفسیر کبیر** میں ہے کہ لغت میں کوثر کے معنی بہت کثرت والی چیز کو کہتے ہیں۔ ایک اعرابیہ سے جسکا بیٹا سفر سے واپس آیا تھا کسی نے کہا تیرا بیٹا کیا لایا ہے اُس نے کہا کوثر لایا ہے

یعنی ایک کثیر التعداد چیز لایا ہے۔

تفسیر کشاف میں کوثر کے معنی کثرت کے کرکے ایک عربی شعر نقل کیا ہے جو یہ ہے ؎

وانت کثیر یا ابن مروان طیب ✦ وکان ابوک ابن العقائل کوثرا

یعنی اے مروان کے بیٹے تو بڑا پاکیزہ خصلت اور بہت ہی کثرت والا ہے مگر تیرا باپ جو کثرت میں زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ کوثر ہو گیا تھا یعنی کثیر الخیر تھا۔

حماسہ (جو قدیم عرب کی زبان کا ایک اچھا نمونہ ہے اُس) میں بھی ایک شعر ہے جو ہمنے **تفسیر القرآن** عربی میں نقل کیا ہوا ہے ؎

ابوا ان یبیحوا جارھم لعدوھم ✦ وقد ثار نقع الموت حتی تکوثرا

اس شعر میں بھی کوثر کو بصیغہ جمع کے لایا گیا ہے جسکا ترجمہ ہے کہ میری قوم ایسی باغیرت ہے کہ عین لڑائی کے وقت بھی اپنے پناہ گیروں کو دشمنوں کی سپرد نہیں کرتے [illegible] کہ وہ تعداد میں کثیر ہو گیا۔

غرض اس میں کسی کو شک نہیں کہ کوثر کے معنے لغت میں **کثیر التعداد** چیز کے آتے ہیں پس ان لغوی اور نیز شان نزول کی **شہادت** سے کہ یہ سورت اُس **نالائق** کے جواب میں نازل ہوئی ہے جسنے آنحضرت فداہ ابی و امی کو بوجہ نرینہ اولاد نہ ہونے کے ابتر کہا تھا آیت موصوفہ کے یہ معنی ہیں کہ ہمنے تجھکو ایسی **امت کثیرہ** دی ہے جو بیٹوں سے زیادہ تیری فرمانبردار ہوگی جسکی وجہ سے تیرا نام قیامت تک قائم رہیگا اور ایسا ہوگا کہ تیرا دشمن ہی ابتر یعنی بے نام ہو جائیگا کوئی اُس [illegible]

[illegible]گا۔ ان معنوں کی شہادت لغت اور شان نزول بالبداہت دیتے ہیں اور متعلقات بھی انکو [illegible]تے ہیں مگر جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوثر میدان محشر میں ایک حوض ہے اور جنت [illegible]یک نہر ہے اسلئے اس حدیث کو بھی مذکورہ بالا حدیثوں کی طرح آیت سے مطابق کرنا چاہئے [illegible]نے جیسے ہم بتلا آئے ہیں کہ محدثین اس قسم کی احادیث کو قرآن مجید کی تفسیر اور تعیین [illegible]ما نہیں کیا کرتے بلکہ جو کچھ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ معنوی طور پر آیت کو [illegible]متعلق سے شامل سمجھتے ہیں چنانچہ اوپر مفصل ہی گذر چکا ہے اسی طرح اس جگہ جو کچھ حدیث [illegible]شریف سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی معنوی طور سے آیت کے ساتھ شمول کیا جاوے یعنی [illegible]خدا نے جس طرح آنحضرت پر انعام کیا کہ آپکو امت کثیرہ دی اسی طرح حوض کوثر عنایت [illegible]فرمایا انعام کی حیثیت سے دونوں موجب اعزاز ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما [illegible]نے اسی بنا پر کوثر کے معنے خیر کثیر کے کئے ہیں حالانکہ لوگوں نے اُن سے کہا بھی کہ کوثر جنت میں نہر ہے جسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ بھی خیر کثیر میں شامل ہے۔ (معالم)

حافظ ابن کثیر نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے کہ خیر کثیر مراد ہے۔ امام رازی نے [illegible] بھی کہتے ہیں ان اقوال کی بنا اسی پر ہے کہ لغوی معنے پر یہہ بزرگ حدیث کو مقدم نہیں [illegible]جانتے لغت کے معنی بجائے خود صحیح جانکر جو کچھ حدیث سے ثابت ہوتا ہے اسکو بھی معتبر [illegible]کر کے لغوی معنے کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں چنانچہ مفصل اوپر گذر چکا ہے اگر یہہ معنے نہیں [illegible]تو ان مفسروں کو حدیث سے انکار ہو بلکہ ہر ایک کا ادا کو حق ہو کہ جب اگر کوئی شخص عربی [illegible]دان اور صاحب مقام کا سننے والا اس آیت کو اپنے گھر بیٹھتا اور آنحضرت کا فرمودہ کہ کوثر جنت میں نہر ہے، اُس تک نہ پہنچتا تو وہ اس آیت کے معنے نہ سمجھ سکتا حالانکہ قرآن مجید کی آیات ہم بتلا آئے ہیں کہ قرآن مجید عربی میں اسی لئے آیا تھا کہ عرب کے لوگ بلا تکلف انکو سمجھ سکیں بعض لوگوں کی یہ بڑی غلطی ہے کہ اس قسم کی تفسیر بتلانے سے حدیث کا انکار سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ اگر یہ انکار ہوتا تو تمام گذشتہ مفسرین ایسا کیوں کرتے؟ جنکے اقوال ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اسی قسم کی اور بھی کئی ایک حدیثیں آئی ہیں جو قرآن مجید کے الفاظ اور سیاق وسباق

انکو تہلکہ تفسیر بتلاتی ہیں جنکو دیکھ کر ظاہر بیں تو گھبرا کر بسا اوقات حدیث ہی سے منکر ہو جاتے ہیں مگر دراصل یہہ انکی غلطی ہے جو حدیث قرآن کے سیاق سے مخالف ہو اسکے معنے کرنے میں بھی اصول برتنا چاہئے جو محدثین اور مفسرین نے ان دو تین اوپر والی حدیثوں میں برتا ہے۔ چونکہ یہہ ایک اصول کلیہ ہے اسلئے ہر ایک ایسی حدیث میں محدثین کی تصریح ہو تو کوئی حرج نہیں اسی اصول پر تمام جزئیات منطبق کیجاینگی۔

اصل یہہ ہے کہ اہلحدیث گروہ کو حدیث کی تلاش و محبت ہمیشہ رہی ہے اور ہونی بھی چاہئے۔ کیونکہ ـــ

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے	دُر دانہ درج مصطفے ہے
صوفی و عالم و حکیم و حاجی	کھلتے رہو اسی کی خوشہ چینی
حق ہو گا حدیث خواں سے محروم	اور شاد رسول فخر عالم

لیکن تاہم انکو حفظ مراتب کا ہمیشہ خیال رہا اسی لئے وہ قرآن کے سیاق پر حدیث کو مقدم نکرتے تھے چنانچہ فخر المتاخرین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اذا وجد فی المسئلۃ قرآن ناطق فلا یجوز القول منہا الی غیرہ واذا کان القرآن محتملا لوجوہ فالسنۃ قاضیۃ علیہ (حجۃ اللہ باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائے)	اہلحدیث کا طریق عمل یوں بتلاتے ہیں کہ جب قرآن مجید کا حکم کسی مسئلہ میں صاف و صریح ملے تو اسکے سوا غیر کیطرف رخ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہاں جب قرآن مجمل اور ذو الوجوہ ہو تو جو تفسیر حدیث میں

ہوگی وہ مقدم ہوگی اور یہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔ (خاکسار بھی ان کا ہم مشرب ہے)

فصل سوم

قرآن مجید کو کون لوگ سمجھ سکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب پہلی فصل سے مل سکتا ہے کہ جو لوگ عربی زبان سے ماہر ہیں وہ قرآن شریف کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو عربیت میں ماہر ہوں چاہے کسی قرن کے ہوں

یا کسی زمانہ کے حدیث شریف میں بھی اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ایک حدیث میں

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر

ام اٰخرہ (ترمذی)

لا یخلق من کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ وھو

الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتی قالوا انا

سمعنا قرآنا عجبا (ترمذی۔ دارمی)

آیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس میں یہ تمیز نہیں ہو سکتی کہ اسکا پہلا حصہ اچھا ہے یا پچھلا“

ایک حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کثرت تکرار سے پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ جن بھی اس کے سننے سے نہ رُکے تھے یہاں تک کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سُنا ہے“

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے معانی اور تفسیر کی کوئی حد نہیں ہو سکتی ہر ایک زمانہ کے لوگ اس کے عجائبات کو حسب استعداد علمی سمجھتے رہنگے اور مستفید ہونگے اور انکا باہمی اختلاف سو وہ بحکم فصل مذکورہ فصل ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک زمانہ کے لوگ اسی اصول کے پابند رہے ہیں مسلمانوں کے کل طبقوں میں صحابہ کرام کا طبقہ اعلیٰ ہے مگر جب ہم تفسیر کے فن پر نظر ڈالتے ہیں تو زمانہ سلف میں اسکی کوئی پابندی نہیں پاتے کہ جو کچھ صحابی نے کسی آیت کے معنے بیان کئے ہوں بس اُسی پر حد لگ جاتی تھی نہیں بلکہ ایک مفسر اپنے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق بپابندی اصول معنے سمجھتا تھا یہانتک کہ استاد کے بتلائے ہوئے معنے سے شاگرد مخالف بتلاتا تھا ہم اس موقع پر ایک دو مثالیں نقل کرتے ہیں

عن ابن عباس قال الکوثر الخیر الکثیر۔ قال الحسن ھو القرآن۔ قال عکرمۃ النبوۃ و الکتاب (معالم)

ابن عباس فرماتے ہیں کوثر (جو قرآن کی آیت میں ہے اُس) سے مراد خیر کثیر ہے۔ خواجہ حسن بصری نے کہا اس سے مراد قرآن ہے عکرمہ (جو ابن عباس کے شاگرد رشید ہیں) کہتے ہیں اُس سے مراد نبوت اور کتاب ہے

عن ابن عباس قال السابق المؤمن والمقتصد المرائی والظالم الکافر نعمۃ اللہ غیر الجاحد عن عائشۃ اما السابق بالخیرات فمن مضی

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۲۲ ع ۱۶)

علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شھد له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجنۃ واما المقتصد فمن اتبع اثرہ من اصحابہ حتی لحق بہ واما الظالم لنفسہ فمثلی ومثلکم۔ قال مجاھد والحسن وقتادۃ فمنھم ظالم لنفسہ ھم اصحاب المشئمۃ ومنھم مقتصد ھم اصحاب المیمنۃ ومنھم سابق بالخیرات ھم السابقون المقربون۔ قال بعضھم ذکر ذلک عن الحسن قال السابق من رجحت حسناتہ علی سیاٰتہ والمقتصد من استوت حسناتہ وسیاٰتہ والظالم من رجحت سیاٰتہ۔ وقیل الظالم من کان ظاھرہ خیرا من باطنہ والمقتصد الذی یستوی ظاھرہ و باطنہ والسابق الذی باطنہ خیر من ظاھرہ وقیل الظالم من وحد اللہ بلسانہ ولم یوافق فعلہ قولہ والمقتصد من وحد اللہ بلسانہ واطاعہ بجوارحہ والسابق من وحد اللہ بلسانہ واخلص لہ عملہ وقیل الظالم التالی القرآن والمقتصد القارئ العالم بہ والسابق القارئ لہ العالم بہ العامل بما فیہ وقیل الظالم اصحاب الکبائر والمقتصد اصحاب الصغائر والسابق الذی

اس آیت میں تین لفظ ہیں۔ **ظالم مقتصد سابق**۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں سابق سے مراد **مخلص مومن** ہے اور مقتصد سے مراد **مرائی** (دکھاوا کرنیوالا) ہے اور ظالم سے مراد اللہ کی نعمتوں سے **ناشکر** ہے حضرت **عائشہ صدیقہ** رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سابق تو وہ ہیں جو آنحضرت کے زمانہ مبارک میں مسلمان ہو گئے تھے جنکی بابت حضور نے جنت کی خبر دی ہے اور مقتصد وہ ہیں جو اصحاب میں سے انکی روش پر چلے ہیں اور ظالم ہم اور تم جیسے (تواضع ہے) مجاہد اور حسن بصری اور قتادہ (تابعین) کہتے ہیں کہ ظالم ہیں جنکو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملیگا اور مقتصد دہنی ہاتھ والے ہیں اور سابقون مقرب ہیں بعض علما حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ سابق وہ جنکی نیک اعمال برائیوں پر غالب ہوں اور مقتصد وہ ہیں جنکی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں اور ظالم وہ ہیں جنکی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں“ بعض کہتے ہیں کہ ظالم وہ ہیں جنکا ظاہر باطن سے اچھا ہو اور مقتصد وہ ہیں جنکا ظاہر باطن یکساں ہو۔ سابق وہ ہیں جنکا باطن (دل) ظاہر سے اچھا ہو“ بعض کہتے ہیں ظالم وہ ہیں جو صرف زبان سے اللہ کی توحید کا قائل ہو اور اُس کا

لوں یکتسب کبیرۃ ولا صغیرۃ وقال سھل ابن عبداللہ السابق العالم والمقتصد المتعلم والظالم الجاھل (معالم)

قول فعل موافق نہ ہو اور مقتصد وہ ہے جو زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرے اور اعضاء سے اُسکی تابعداری کرے۔ اور سابق وہ ہے جو زبان سے خدا کی توحید کا اقرار کرے۔ اور اخلاص سے عمل کرے"

بعض علماء کہتے ہیں "ظالم وہ ہے جو بغیر مطلب سمجھے کے قرآن پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو سمجھکر پڑھے اور سابق وہ ہے جو سمجھکر پڑھے اور اُس کے احکام پر عمل بھی کرے"

بعض کہتے ہیں ظالم کبیرہ گناہ کرنیوالے ہیں اور مقتصد صغیرہ گناہ والے ہیں اور سابق وہ ہیں جنہوں نے نہ بڑے گناہ کئے ہیں نہ چھوٹے "

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں سابق سے مراد معلم ہے جو لوگوں کو علم دین پڑھاتا ہے۔ اور مقتصد سے مراد طالبعلم ہے جو علم دین پڑھتا ہے۔ اور ظالم سے مراد جاہل ہے " (معالم)

یہ وہ مثالیں غالباً اس اصول کے سمجھانے کو کافی ہونگی کہ زمانہ سلف میں کوئی شخص کسی کی رائے کا پابند نہ تھا حضرت ابن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم جیسوں کی رائے سے تو خلاف کیا جاتا تھا کیوں؟ اس لئے کہ کوئی آیت یا حدیث مجبور نہیں کرتی کہ تفسیر دانی میں کسی زمانہ کی تحدید کی جاوے کیونکہ یہ امر علم اور فہم کے متعلق ہے اور امت میں ہر ایک کا فہم الگ ہے کوئی کسی کے فہم کا پابند نہیں بلکہ کسی مفسر کی بات کو بے دلیل مان لینا ایسا برا سمجھا جاتا تھا کہ امام سیوطی نے **اتقان** میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ

قال فی البرھان اعلم انہ لا یحصل للناظر فھم معانی الوحی الی ان قال او یعتمد علی قول مفسر لیس عندہ علم (اتقان نوع ۷۸)

صاحب برہان لکھتے ہیں کہ ایسے آدمی کو قرآن کے معانی کی سمجھ نہیں آتی جو بدعتی ہو یا متکبر ہو یا دنیا کی محبت رکھتا ہو یا گناہ کبیرہ ہمیشہ کرتا ہو

یہ لکھکر پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے آدمی کو بھی قرآن کے معانی کی سمجھ نہیں ہوتی جو کسی مفسر کے قول پر بے دلیل اعتماد اور بھروسہ کر لیتا ہے "

اسی بنا پر علماء اصول نے امام شافعی کا قول لکھا ہے کہ :-

قال الشافعی لا یقلد احد منھم سواء کان مدرکا بالقیاس اولا لان الصحابۃ کان یخالف بعضھم بعضا ولیس احدھم اولی من الآخر فتعین البطلان۔ قد اتفق عمل اصحابنا بالتقلید فیما لا یعقل بالقیاس و اختلف عملھم فیما وھذا الاختلاف فی کل ما ثبت عنھم من غیر خلاف بینھم من غیر ان یثبت ان ذلک بلغ غیر قائلہ فسکت مسلماللہ (نور الانوار مبحث تقلید الصحابی)

صحابی کی تقلید بھی واجب نہیں خواہ وہ اجتہادیہ ہوں یا غیر اسلئے کہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے مخالف ہوتے تھے اور کوئی اُن میں سے اس بات میں دوسرے سے اولیٰ اور بہتر نہیں پس اُن کے اختلاف سے انکی تقلید کا غلط ہونا ثابت ہے"

(اس قول کو نقل کرکے مصنف متن کہتا ہے) ہمارے علماء حنفیہ کا اسپر تو اتفاق ہے کہ جو امور قیاس اور اجتہاد سے معلوم نہیں ہو سکتے جیسے امور آخرت وغیرہ اُن میں تو صحابی کی بات کا مان لینا ضروری ہے۔ اور امور اجتہادیہ عقلیہ میں جو فہم اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہوں اُن میں اختلاف ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اختلاف حنفیہ اور شافعیہ کا اسی صورت میں ہے کہ صحابہ میں اس امر کی نسبت اختلاف نہ ہوا ہو اور ایک کا قول دوسرے کو پہنچا ہو اور اُس نے قبول کر لیا ہو۔ کیونکہ اگر اختلاف ہو تو واجب نہیں اور اگر سکوت ہے تو اجماع ہے پھر اختلاف نہیں۔ (نور الانوار)

بعض بزرگوں کو حسن ظنی سے اس میں غلطی لگتی ہے کہ وہ اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس میں قرون ثلاثہ (صحابہ تابعین تبع تابعین) کی خیریت اور فضیلت کی خبر ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ان تینوں زمانوں کے لوگوں کی بہتری آنحضرت نے بتلائی ہے تو تفسیر دانی بھی انہی پر ختم ہے۔

اوّل تو یہ مرحلہ ہی دشوار گذار ہے کہ قرون ثلاثہ سے کیا مراد ہے بعض علماء کا مذہب ہے کہ قرون ثلاثہ کی مدت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک ہے (دیکھو حاشیہ شرح عقائد نسفی) بعض حدیثیں اور واقعات بھی اسکی تائید بھی کرتے ہیں۔ اور اگر تبع تابعین تک بھی مراد ہو تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ پچھلے لوگ قرآن دانی اور تفسیر فہمی

ہیں ان قرون ثلاثہ کے پابند نہیں بھلا اگر فضیلت سے انکی تقلید ہی ثابت ہوتی تو کیا ت نہیں جانتا کہ تینوں زمانے خیریت اور فضیلت کے ہیں تاہم اس میں تو شک نہیں کہ صحابہ کا طبقہ تابعین و تبع تابعین سے افضل و اعلیٰ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تابعین کے صحابہ کے خلاف و تبع تابعین کے تابعین کے مخالف اقوال تفاسیر میں منقول ہیں جن کی مثالیں ہم دے آئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خیریت اور فضیلت اس زمانہ کی انکی نیک نیتی اور حسن اخلاص پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے سرور کائنات کو اپنی آنکھوں سے ایک مرتبہ دیکھا تمام مجتہدین سے افضل ہو گو علم و فضل اور شئی ہے۔ علماء اصول فقہ حضرت ابوہریرہ و انس رضی اللہ عنہم جیسے جلیل الشان صحابہ کو غیر مجتہد کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور شافعی بلکہ امام محمد اور ابو یوسف وغیرہ کو مجتہد مانتے ہیں (دیکھو نور الانوار بحث حدیث)۔

(دیکھو اس زمانہ میں بھی اس کی مثال پا سکتی ہے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس اللہ سرہ ہیں مگر شک نہیں کہ مولانا شہید سے افضل و اعلیٰ ہیں گو علمی باتوں میں ہمیشہ مولانا ممدوح کی تحقیق پیش ہوتی تھی اور ہوتی ہے کیونکہ یہ صیغہ ہی الگ ہے۔)

خلاصہ یہ کہ تفسیر کے لئے کسی زمانہ کے علماء کی پابندی نہیں بلکہ ہر زمانے میں پابندی اصول دین یعنی قرآن و حدیث اور زبان عربی کے لحاظ سے ہر ایک عالم کا حق ہے کہ قرآن شریف کو اپنے علم اور استعداد سے سمجھے خواہ پہلے لوگوں میں اسکا کوئی موافق ہو یا نہ ہو مگر دلیل رکھتا ہو۔ زبان عربی کے قواعد اور کسی آیت یا حدیث کو خلاف اسکی توجیہ یا تفسیر نہ ہو۔ یہی معنے ہیں اس حدیث کے جس میں سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ میری امت بارش کی طرح ہے جس کے اول آخر کی نسبت نہیں ہو سکتی کہ افضل کون حصہ ہے جو اسپر پچھلا گذر رہا ہے۔ ورنہ صحابہ کے افضل ہونے میں کیا شبہ ہے۔ پھر کیوں فرمایا کہ اول آخر میں تمیز نہیں ہو سکتی۔

علاوہ اس کے **سلف صالحین** سے تفسیر کے متعلق جتنی روایتیں آتی

ہیں شاذ و نادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔ امام احمد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر مجتہد اور امام فرماتے ہیں کہ تین باتوں کی کوئی اصل ہی نہیں۔ ماقیل تفسیر کی۔ دوم وقائع شدیدہ کی۔ سوم جنگوں کی جیسے فتوح الشام وغیرہ ہیں۔

قال الامام احمد ثلاث ليس لها اصل التفسير والملاحم والمغازی (اتقان نوع ٨٠)

سخت حیرانی ہوتی ہے جب بعض علماء سے یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں قول **شاذ** ہے اور فلاں **مردود** ہے۔ کیا شاذ اور مردود کہنے کا بھی کوئی قاعدہ ہے یا ہر ایک شخص اپنے موافق کو معتبر اور مخالف کو شاذ کہنے کا مجاز ہے؟ ہم سے پوچھو تو یہی قاعدہ ہے جو ہم نے نہیں بلکہ خدا نے خود بتلا دیا ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ اس کے سوا اگر کوئی اور قاعدہ ہو تو پیش ہونا چاہئے۔

فصل چہارم

آیات متشابہات کی تحقیق میں

آیات متشابہات میں جسقدر علماء کا اختلاف ہے شاید ہی کسی مسئلہ میں ہو۔ ہم اس جگہ تفسیر **معالم التنزیل** اور **اتقان** سے کسی قدر نقل کرتے ہیں۔

اختلف العلماء فيهما فقال ابن عباس رضي الله عنهما المحكمات هن الآيات الثلاث في سورة الانعام قل تعالوا اتل ما حرم ربكم عليكم ونظيرها في بني اسرائيل وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه۔ وعنه انه قال المتشابهات حروف التهجي في اوائل السور وقال مجاهد وعكرمة المحكم ما

صاحب معالم لکھتے ہیں کہ آیات متشابہات اور محکمات میں علماء مختلف ہیں **ابن عباس** نے کہا محکمات تین آیتیں ہیں جو سورہ انعام میں ہیں قل تعالوا آخر تک اور اسی کی مثل سورہ بنی اسرائیل میں وقضی ربک آخر تک ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ متشابہات حروف تہجی ہیں جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

الحلال والحرام وما سواه منه متشابه
يشبه بعضه بعضا في الحق ويصدق
بعضه بعضا كقوله تعالى وما يضل به الا
الفاسقين ويجعل الرجس على الذين لا
يعقلون وقال قتادة والضحاك والسدي
المحكم الناسخ الذي يعمل به والمتشابه
المنسوخ الذي يؤمن به ولا يعمل به
وروى ابن ابي حاتم عن علي بن ابي طلحة عن ابن عباس
رضي الله عنهما قال محكمات القرآن ناسخه
وحلاله وحرامه وحدوده وفرائضه
وما يؤمن به ويعمل به والمتشابه منسوخه
ومقدمه ومؤخره وامثاله واقسامه
وما يؤمن به ولا يعمل به وقيل المحكمات ما
وقف الله الخلق على معناه والمتشابه
ما استأثر الله تعالى بعلمه لا سبيل لاحد
الى علمه نحو الخبر عن اشراط الساعة
وخروج الدجال ونزول عيسى عليه السلام
وطلوع الشمس من مغربها وقيام الساعة
وفناء الدنيا قال محمد بن الزبير المحكم ما
لا يحتمل من التاويل غير وجه واحد
والمتشابه ما احتمل اوجها وقيل المحكم ما
يعرف معناه ويكون حجة واضحة و
دلائله لائحة لا تشتبه والمتشابه

جیسے اکو جم وغیرہ **مجاہد** اور **عکرمہ** نے
کہا ہے محکم وہ آیت ہو جس میں حلال حرام
مذکور ہو اور اس کے سوا سب متشابہ ہے
کیونکہ رہتی میں ایک دوسری سے ملتی ہیں
جیسے یہ آیت مَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ آخر
تک اور یجعل الرجس آخر تک **قتادہ**۔
ضحاک اور **سدی** نے کہا کہ محکم آیت
وہ ہے جو ناسخ ہو جس پر عمل کیا جاوے۔ اور
متشابہ منسوخ ہے جس پر ایمان ہو اور عمل نہو
علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت
کی ہے کہ ناسخ حلال۔ حرام۔ حدود۔ فرائض
اور جن آیات پر ایمان لایا جاوے اور عمل بھی
کیا جاوے یہ تو محکمات ہیں اور متشابہات وہ
ہیں جو منسوخ اور مقدم۔ موخر اور اسی قسم کی
ہوں جن پر ایمان لایا جاوے اور عمل نہ کیا جاوے۔
بعض کہتے ہیں محکمات وہ ہیں جن کے معنے اللہ نے
اپنے بندوں کو بتلا دیئے ہیں اور متشابہات وہ
ہیں جو اللہ ہی جانتا ہو جیسے قیامت کے
نشان۔ دجال کا خروج مسیح کا نزول سورج
کا مغرب سے طلوع۔ قیامت کا قایم ہونا۔ دنیا
کا فنا وغیرہ۔ **محمد بن زبیر** نے کہا کہ محکم وہ
آیت ہو جس کی ایک ہی توجیہ اور تفسیر ہو سکے۔
متشابہ وہ ہے جس کی کئی ایک تفسیریں ہو سکیں

هو الذي يدرك علمه بالنظر ولا يعرف
العوام تفصيل الحق فيه من الباطل و
قال بعضهم المحكم ما يستقل بنفسه
في المعنى والمتشابه ما لا يستقل بنفسه
الا برده الى غيره ومعاني

بعض نے کہا ہے محکم وہ ہے جس کے معنے
مشہور معروف ہوں اور صاف حجت ہوں اور
دلائل اس کے واضح ہوں کسی پر مشتبہ نہوں
اور متشابہ وہ ہیں جن کا علم غور و فکر سے حاصل
ہو سکے اور عوام اس میں حق باطل کی تفصیل
نہ کر سکیں **بعض** نے کہا محکم وہ ہے جو بنفسہ معنی میں مستقل ہو اور متشابہ وہ ہے
جو اپنے آپ میں مستقل نہو جب تک دوسری آیت کے ساتھ اسکو نہ ملائیں۔

امام سیوطی اتقان میں کہتے ہیں ۔ **بعض** نے کہا محکم وہ ہے جسکے معنے واضح

قيل المحكم ما وضح معناه والمتشابه
نقيضه وقيل المحكم ما لا يحتمل من
التاويل الا وجها واحدا والمتشابه ما
احتمل اوجها وقيل المحكم ما كان
معقول المعنى والمتشابه بخلافه
كاعداد الصلوات واختصاص الصيام
برمضان دون شعبان وقيل المحكم ما
تأويله تنزيله والمتشابه ما لا يدرك
الا بالتاويل وقيل المحكم ما لم يتكرر
الفاظه ومقابله المتشابه وقيل
المحكم الفرائض والوعد والوعيد و
المتشابه القصص والامثال ومن المتشابهات
آيات الصفات بقوله استوى على
العرش والوجه واليد وغيرها۔
(الاتقان۔ بحث المحكم والمتشابه)

ہوں اور متشابہ وہ ہے جو ایسا نہو **بعض**
علما کہتے ہیں۔ محکم وہ ہے جس کی
ایک ہی توجیہ ہو اور متشابہ وہ ہے
جسکی کئی ایک توجیہات ہو سکیں **بعض** نے
کہا ہے کہ محکم وہ ہے جسکا مضمون عقل سے
دریافت ہو سکے جیسے نیک اخلاق راستی وغیرہ
اور متشابہ وہ ہے جو ایسی نہو جیسے نمازوں کی
گنتی اور رمضان سے روزوں کی تخصیص
بعض کہتے ہیں محکم وہ ہے جسکے اترتے ہی فوراً
سمجھ میں آجاویں اور متشابہ وہ ہے جو تاویل
سے معلوم ہو **بعض** کی یہ رائے ہے کہ محکم
وہ ہے جسکے الفاظ مکرر بار بار آویں اور جو
ایک ہی دفعہ آوے وہ متشابہ ہے **بعض** نے کہا
محکم فرائض۔ وعدے یعنی نیک اعمال کی
جزا اور وعید (بداعمال کی سزا) کا ذکر ہو اور

متشابہ قصص ہیں اور آیات صفات (مثل استویٰ علی العرش اور وجہ وغیرہ) بھی متشابہات میں سے ہیں۔"

اتنے اختلاف کے ہوتے کس کا حق ہے کہ بغیر کسی قوی دلیل کے کسی قول کو ترجیح دے سکے یا کسی کو غلط کہے؟

بعض لوگ جلد بازی میں اس حدیث کو اس مطلب (تعیین متشابہات) کے لیے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا رأیت الذین یتبعون ما تشابہ منہ فاولئک الذین سماہم اللہ فاحذروہم (معالم)

پیش کیا کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو اُن سے بچکر رہنا۔ یہ وہی لوگ ہیں جنکو اللہ نے گمراہ بتلایا ہے۔"

مگر بغور دیکھا جائے تو اس میں متشابہات کی کیفیت و تعیین نہیں بتلائی گئی بلکہ انکا حکم بتلایا ہے کہ متشابہات کے پیچھے پڑنے والے برے ہیں لیکن یہ بات کہ متشابہات کونسی آیتیں ہیں اور محکمات کونسی ہیں اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں۔

پس جبکہ کسی آیت قرآنی یا حدیث رسالت پناہی میں اس امر کا صحیح فیصلہ نہیں ملتا کہ آیات متشابہات کیا ہیں اور محکمات کیا۔ تو ضروری ہوا کہ ہم قرائن و سیاق عبارت سے کام لیں۔ چنانچہ آیندہ فصل میں ہم اپنی ناچیز رائے انکے متعلق ظاہر کرینگے (ثنائی)

فصل پنجم

آیات متشابہات کیا ہیں اور انکو لوگ جان سکتے ہیں

اس مسئلہ میں کہ آیات متشابہات کو کوئی جان سکتا ہے؟ بھی علما کا اختلاف ہے۔ بغور دیکھا جائے تو یہ مسئلہ بھی تخصیص عام کیطرح ایک اور مسئلہ کی فرع ہے۔ وہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں وقف کہاں ہے؟ یعنے اللہ پر جملہ پورا ہوتا ہے۔ اور

وما یعلم تأویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ۔

یا "والراسخون" سے جملہ نیا چلتا ہے یا والراسخون پہلے کلام یعنی اللہ پر ہو کر عاطف کلام سابق کا معطوف ہے؟ بعض علما پہلی توجیہ کو پسند کرتے ہیں اور بعض پچھلی کو۔ چنانچہ اتقان میں ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ والراسخون کو اللہ پر عطف جانتے تھے

اخرج ابن المنذر من طریق عن مجاہد عن ابن عباس فی قولہ وما یعلم تأویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم قال یعلمون تأویلہ لو لم یعلموا تأویلہ لم یعلموا ناسخہ من منسوخہ ولا حلالہ من حرامہ ولا محکمہ من متشابہہ واختار ہذا القول النووی فقال فی شرح مسلم انہ الاصح لانہ یبعد ان یخاطب اللہ عبادہ بما لا سبیل لاحد من الخلق الی معرفتہ وقال ابن الحاجب انہ الاظہر واما الاکثرون من الصحابۃ والتابعین واتباعہم ومن بعدہم خصوصاً اہل السنۃ فذہبوا الی الثانی (اتقان نوع ۴۳)

اور فرماتے تھے کہ میں بھی آیات متشابہات کے معنے جانتا ہوں یعنی میں راسخین میں سے ہوں۔ مجاہد سے منقول ہے کہ راسخین تاویل جانتے ہیں اگر وہ تاویل نہ جانتے ہوں تو ناسخ منسوخ حلال حرام اور محکم متشابہ کیونکر جان سکتے۔ ہمیں اسی قول کو کہ راسخین متشابہات کی تاویل جانتے ہیں، امام نووی نے پسند کیا ہے۔ امام موصوف نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ یہ بات عقل سے بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے کلام سے مخاطب کرے جسکو وہ کسی طرح نہ سمجھ سکیں۔ امام ابن الحاجب کہتے ہیں یہی مذہب صحیح تر ہے لیکن اکثر صحابہ و تابعین و تبع تابعین خصوصاً اہل سنت نے دوسرے مذہب کو پسند کیا ہو کہ نہیں جانتے)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بعض لوگ آیت کا وقف الراسخون فی العلم پر کہتے ہیں

ومنہم من یقف علی قولہ والراسخون فی العلم وتبعہم کثیر من المفسرین واہل الاصول وقالوا الخطاب بما لا یفہم بعید (ابن کثیر)

جنکا مطلب یہ ہو کہ علما راسخین متشابہات کے مطلب جانتے ہیں۔ بہت سے مفسرین و اہل اصول اس رائے پر انکے تابع ہو گئے ہیں کہتے ہیں جو بات سمجھ میں نہ آسکے اس سے خطاب کرنا نامناسب ہے (یعنی اگر متشابہات کو کوئی نہ سمجھ سکے تو قرآن مجید میں انکا آنا اور نازل ہونا ہی بے فائدہ اور نامناسب ہے)۔

خاکسار راقم کے نزدیک بھی یہی راجح ہے کہ الراسخون معطوف ہو اللہ پر کیونکہ واو کی اصل عطف کے لئے ہے اور عطف اسی صورت میں ہو کہ الراسخون معطوف ہو اللہ پر اور اگر عطف نہ ہو تو واو اپنی اصلیت سے نکل جائیگا۔ ہر کلام ہو واو کی اصلیت نہیں کیونکہ وہ تو دو چیزوں کے جمع کرنے کے لئے ہے چنانچہ کتب نحو۔ معانی اور اصول میں لکھا ہے کہ یہی مطلقا ہیں واو کی اصلیت ہی مقتضی ہو کہ الراسخون معطوف ہو اور فاعل ہو یعلم کا بس آیت کی ترکیب یہ ہے کہ الراسخون معطوف ہو اللہ پر اور یقولون مضارع جملہ فعلیہ حال ہو بس آیت کے معنے یہ ہیں کہ آیات متشابہات کے معنے اللہ جانتا ہے اور اللہ کے جتلانے سے علماء راسخین بھی جانتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ ہم سب کو مانتے ہیں۔

اس ترکیب پر مولانا نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ایک سوال کیا ہے اسکا ذکر کرنا بھی ضروری ہو۔ فرماتے ہیں یہ اس کلام یقولون کو حال بنانے میں ایک امر مانع ہے وہ یہ ہے کہ **راسخین** کے علم بالتاویل کو اس کہنے کی وقت سے مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ درصورت عطف ہونے کے **راسخین** ہر حال میں جانتے ہیں نہ کسی خاص حالت میں جیسا کہ تقیید سے لازم آتا ہے۔

ان جعلنا ما نام اخر من جعل ذلک حالا وهو ان تقييد علمهم بتاويله بحال كونهم قائلين آمنا به ليس بجيد فان الراسخين في العلم على القول بصحة العطف على الاسم الشريف يعلمونه في كل حال من الاحوال لا في هذه الحالة الخاصة (فتح البيان)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر تقیید بطریق حال منتقلہ کے نہیں ہے بلکہ حال مستمرہ کی

تفسیر القرآن بکلام الرحمن میں الراسخون کو مبتدا مانا ہے۔ بعض دوستوں کو اسپر شبہ ہوا کہ جب راسخون کو مبتدا مانا گیا ہے تو پھر **حروف مقطعات** کے سوا کون کون سی آیتیں ہیں کیونکہ حروف مقطعات [illegible] کے کوئی نہیں جانتا چنانچہ الراسخون کو مبتدا مانا [illegible] تو اسکا جواب یہ ہے کہ جہاں الراسخون مبتدا مانا ہے وہاں آیات متشابہات کی تعیین یوں کی گئی ہے کہ متعلقہ عالم غیب از قسم متعلقہ جزاء و سزا وغیرہ [illegible] ایک قول ہو۔ آیات [illegible] ہیں تو ایک معنے لیتے ہیں [illegible] صرف [illegible] کی جگہ [illegible] نہیں تفسیر میں علماء کے [illegible] کیا گیا ہے۔ یہاں اپنی تحقیق

طرز پر ہو چنانچہ دوسری ایک آیت میں خود اسکی نظیر حق جسمیں مذکور ہے کہ:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (پارہ ۳ ع ۱۱)	اللہ توحید کی شہادت دیتا ہے اس حال میں کہ انصاف پر قائم ہے۔

جیسا اس آیت میں یہ قائما اللہ سے حال ہے باایں ہمہ یہ حال مستمرہ ہونے کے اعتراض نہیں ہوسکتا اسی طرح آیت ماقبل میں ہو گویا اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ **راسخین** ہمیشہ اسی قول پر جمے رہتے ہیں جیسی قائما بالقسط اللہ کی صفت غیر منفک ہے ایسی ہی راسخین کی یہ صفت (قول امنا به) لازمی ہے۔

بعد اس تحقیق کے کہ آیات متشابہات کو علماء راسخین بھی سمجھتے ہیں یہ تحقیق آسان ہو کہ آیات متشابہ کیا ہیں؟ ملئے کہ قرآن مجید کی آیت موصوفہ میں خدا تعالے نے خود انکی ماہیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ **آیات متشابہات** کو علماء راسخین تو سمجھتے ہیں مگر فتنہ انگیز ان سے فتنہ انگیزی اور عوام میں ایک شور و شغب برپا کرتے ہیں حالانکہ ان کا اصل مطلب وہ نہیں ہوتا جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ صفات اور حشر کے متعلق جتنی آیات ہیں سب اسی قسم سے ہیں کہ گمراہ لوگ ان کا مطلب تو سمجھے نہیں اور لوگوں میں یہ ادعا کر کے جو کچھ ہم کہتے ہیں یہی اصل مطلب ہے گمراہی پھیلاتے ہیں جس نے یہ امر اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور تصدیق کرنا ہو وہ ہمارے رسالے **حق پرکاش** جواب ستیارتھ پرکاش اور **ترک اسلام** جواب ترک اسلام مطالعہ کرے پھر دیکھے کس طرح اہل زیغ اللہ کی صفات اور اس کے افعال میں کجروی کرتے ہیں۔

اگر خود آیت موصوفہ میں بھی غور کریں تو اس سے بھی قرینہ مل سکتا ہے کیونکہ اس تقسیم کے بعد اللہ تعالےٰ نے راسخین کے قول کا ایک تو حشر نشر کا ذکر کیا ہو۔ دوم ان کی دعا بتلائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان کامل رکھتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ **آیات متشابہات** سے مراد صفات و افعال خداوندی اور حشر و نشر کا بیان ہے۔

یہاں ہم اہل زیغ کی گمراہی کی ایک مثال بتلاتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

جو لوگ تجھسے (ای رسول) بیعت کرتے ہیں کچھ شک نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔"

مطلب آیت کا تو صاف ہے کہ رسول سے بحیثیت رسالت جو معاملہ کیا جاویگا۔ وہ اللہ ہی سے ہوگا۔ جیسا کہ کسی حاکم سے معاہدہ کرنا بادشاہ وقت سے ہوتا ہے وہ حاکم خواہ تبدیل بھی ہو جاوے بلکہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر سزا یاب و بے اختیار بھی ہو جاوے تاہم وہ معاہدہ بدستور قابل پذیرائی رہتا ہے۔ مگر اہل زیغ (آریہ وغیرہ) نے اسپر خوب حاشیے چڑھائے ہیں کہ حضرت کو خدا بننے کا بھی شوق تھا بلکہ دعوےٰ تھا چنانچہ اسی بنا پر آپنے یہ آیت نازل کرلی کہ جو لوگ مجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے کرتے ہیں۔ مفصل کیلئے ہمارے رسالے موجود ہیں انکے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سارا قرآن مجید ایسا متشابہا ہے۔ کیونکہ آجکل کے اہل زیغ نے کوئی حکم بھی قرآن مجید کا بے اعتراض نہیں چھوڑا۔ شاید اسی لئے خداوند تعالے نے بھی تمام قرآن شریف کو کتابا متشابہا فرمایا ہے۔

نزل احسن الحدیث کتابا متشابها مثانی

خلاصہ یہ کہ جس آیت کو کجرو اور گمراہ لوگ ظاہری ترجمہ کے لحاظ سے بغیر اصل یعنی محاورہ ترجمہ سمجھنے کے اعتراض کریں جو صرف اصل مطلب جو علماء راسخین نے سمجھا ہے جاننے ہی سے سوال مرتفع و دفع ہو جائے تو وہی آیت آیات متشابہات سے ہے۔

فصل ششم

صفات الٰہیہ کے متعلق تحقیق

صفات باری تعالیٰ میں علماء مفسرین کا اختلاف ہے سلف صالحین صحابہ تابعین اور محدثین تفویض کے قائل ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی صفات کا بیان خود فرمایا ہے پس اُسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اُس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔ کہ:

روی عن سفیان الثوری والاوزاعی واللیث بن سعد وسفیان بن عیینۃ و عبد اللہ بن المبارک وغیرہم من علماء السنۃ فی ہذہ الآیات التی جاءت فی الصفات المتشابہات امروہا کما جاءت بلا کیف۔ (معالم۔ سورہ اعراف آیت استوی)	سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ لیث بن سعد۔ سفیان بن عیینہ۔ عبد اللہ بن مبارک وغیرہ علماء حدیث کا مذہب آیات متشابہات میں یہی منقول ہے کہ جیسی یہ آئی ہیں انکو ایسا ہی بلا کیف مانو

ایک گروہ مفسرین کا ان آیات کی تاویل کرتے ہیں جنکو متکلمین[1] یا مؤولین کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ ان آیات کے معنے کرتے ہیں اور مناسب موقع پر حسب محاورہ عرب تاویلات کرتے ہیں۔ خاکسار راقم اہلحدیث کا خادم ہے اور محدثین کی رائے سے میرا اتفاق

[1] بعض عام بلکہ خواص میں بھی یہ خیال کرتے ہیں اور پھیلاتے ہیں کہ متکلمین کسی گمراہ فرقہ کا نام ہے حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء اسلام دو قسم رہتے رہے ہیں جیسے آج کل بھی ہیں ایک وہ ہیں جو علوم دین (حدیث تفسیر ہو یا فقہ اور اصول) میں مستغرق رہتے ہیں یہاں تک کہ [illegible] تحقیق و تدقیق سے تعلیم دیتے ہیں مگر کافروں اور ملحدوں کے بیان مناظرہ میں [illegible] اتفاق نہیں ہوا [illegible] وجہ ہے کیونکہ وہ اپنے خیال ہی میں مستغرق رہنے کی وجہ سے اس کو [illegible] بھی ہیں جلسے کر [illegible] فن رجال سے [illegible] باہر [illegible]۔

ایک قسم کے علاوہ وہ ہیں جو ہر قسم کے مباحثات اور مناظرات میں حصہ لیتے ہیں۔ کافروں اور ملحدوں کا [illegible] مقابلہ کرتے ہیں عقلی اور نقلی دلائل سے ان کا قافیہ تنگ کرتے ہیں اسی قسم کے علماء کو متکلمین کہا جاتا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فوز الکبیر میں فرماتے ہیں:-

وعلم المخاصمۃ والرد علی الفرق الضالۃ من الیہود والنصاریٰ والمشرکین والمنافقین والتفریع علی ہذا العلم منوط بذمۃ المتکلم" (فوز الکبیر باب اول)	قرآن شریف میں جو گمراہ قوموں یعنی یہود و نصاریٰ مشرکین و منافقین سے مباحثات و مناظرات کا ذکر آتا ہے اسکی تمام شاخیں اور تمام مراتب متکلمین کے ذمہ ہیں"

اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ متکلمین کوئی ایسا گروہ نہیں جو پیچھے کبھی پیدا ہوا تھا اور پھر [illegible]

ہے کہ صفات الٰہیہ میں تفویض نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو۔ کیونکہ جب ہم ذات خداوندی کو بالکنہ نہیں پا سکتے تو صفات کو کیونکر پا سکتے ہیں اسلیئے جو حکم ذات کا ہے وہی صفات کا مگر ساتھ ہی اسکے میں اس بات کا بھی قائل ہوں (گو چھوٹا منہ بڑی بات ہو) کہ محدثین اور متکلمین میں جو اختلاف ہے وہ صرف لفظی اختلاف ہے کسی نے آج تک ان دونوں اعلام کے سچے نقطہ نگاروں کی مصالحت میں کوشش نہیں کی اسلیئے ممکن ہے کہ میری بات ایک اجنبیہ اور عجوبہ سی سنی جائے پس بہتر ہے کہ میں اس قاعدہ پر حسب قاعدہ شرعی کامل نصاب سے زیادہ یعنی تین عادل گواہ پیش کروں جنکی شہادت سے یہ ثابت ہو کہ محدثین اور متکلمین کے اصل مدعا میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان تین گواہوں میں دو تو محدثین ہیں اور ایک شیخ المشائخ اور امام طریقت ہیں جنکو اقوال شمس العلماء شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معیار الحق میں بڑی عزت اور فخر کے ساتھ نقل کیئے ہیں۔

ان بزرگوں میں سے پہلے بزرگ جنکو میں شہادت میں پیش کرنا چاہتا ہوں انکا اسم مبارک شیخ الاسلام امام **ابن تیمیہ** رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو چھٹی صدی ہجری میں منقولات بالخصوص فن حدیث میں ایک بڑے پایہ کے مستند امام بلکہ مجتہد گذرے ہیں۔ اور معقولات میں آپکا پایہ یہ ہے کہ ارسطو کی منطق کی دھجیاں اڑا دیں۔ بہر حال یہ گواہ اول معتبر مستند ایک ہی اس پایہ کے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے گواہ کی حاجت نہیں۔ آپ اپنی مشہور کتاب **شرح حدیث النزول** میں آیات متشابہات کے متعلق

ہیں مگر اجمل بھی ہیں جو کافروں اور مجرموں سے میدان جہاد میں سینہ سپر ہوتے ہیں خواہ وہ کسی قوم کے ہوں اور اگر غور کریں تو یہی گروہ دینی منافرین اور متکلمین ہی دراصل نیابت نبوت ادا کرتے ہیں کیونکہ جب کبھی کوئی نبی اصل دنیا میں آیا تو پہلا سوئے سخن اسکا کافروں ہی پر ہوا۔ حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ۔ عیسیٰ۔ خود سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیانات قرآن شریف میں کئی جگہ دیکھیں۔ باوجود ایسے ضروری کام کرنے کے جو متکلمین کر رہے ہیں ہر گروہ سے ان پر طعن ہوتا انکو گمراہ جانا گویا کہ انکی پیاسی کو پست حوصلہ بنانا ہو۔ شکر اللہ سعیہم۔ منہ

ایک عام قاعدہ مقرر کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابن عباس رضي الله عنه ليس في الدنيا مما في الجنة الا الاسماء وهذا تفسير قوله وأتوا به متشابها على احد القولين فبين هذه الموجودات في الدنيا وتلك الموجودات في الآخرة مشابهة وموافقة واشتراك من بعض الوجوه به فهمنا المراد واحببناه ورغبنا فيه وبينهما مباينة ومفاضلة لا يقدر قدرها في الدنيا وهذا من التأويل الذي لا نعلمه نحن بل يعلمه الله تعالى ولهذا كان قول من قال ان المتشابه لا يعلم تأويله الا الله حقا وقول من قال ان الراسخين في العلم يعلمون تأويله حقا وكلا القولين مأثور عن السلف من الصحابة والتابعين لهم باحسان فالذين قالوا انهم يعلمون تأويله مرادهم بذلك انهم يعلمون تفسيره ومعناه والا فهل يحل لمسلم ان يقول ان النبي صلى الله عليه وسلم ما كان يعرف معنى ما يقوله ويبلغه من الآيات والاحاديث بل كان يتكلم بالفاظ لا يعرف معانيها ومن قال انهم لا يعرفون تأويله ارادوا به الكيفية الثابتة التي اختص الله بعلمها ولهذا كان السلف كربيعة ومالك بن انس وغيرهما يقولون الاستواء معلوم والكيف مجهول

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں اور جنت کی نعمتوں میں صرف نام کی مشابہت ہے اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے واتوا بہ متشابہا۔ پس ان دنیاوی نعمتوں اور اخروی نعمتوں میں مشابہت اور اشتراک بعض وجوہ سے ہے اسی وجہ سے تو ہم نے مراد کو سمجھا اور پسند کیا ہے اور انکی خواہش کرتے ہیں۔ مگر حاصل انمیں بہت بڑا فرق ہے جسکا اندازہ دنیا میں نہیں ہو سکتا یہی وہ تاویل ہے جسکو ہم نہیں جانتے بلکہ اللہ ہی جانتا ہے یعنی جنت کی نعمتوں کی حقیقت کا علم خاصہ الٰہی ہے۔ اسی واسطے جو لوگ کہتے ہیں کہ متشابہات کے معنے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا انکا قول حق ہے اور جو کہتے ہیں کہ علماء راسخین انکو معنے جانتے ہیں انکا قول بھی حق ہے اور دونوں قول **سلف صالحین** صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہیں پھر اسکی تفصیل کرتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم آیات متشابہات کے معنے سمجھتے ہیں انکی مراد اس سے لغوی ترجمہ اور لفظی تفسیر ہے ورنہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان یہ کہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جن آیات و احادیث کی لوگوں کو تبلیغ کرتے تھے انکا ترجمہ بھی نہ سمجھتے تھے! بلکہ ایسے مہمل الفاظ بولتے تھے جنکے معنے وہ خود بھی نہ سمجھتے ہوں!

دہر گز ایسا نہیں ہو سکتا) اور جو لوگ کہتے ہیں کہ علماء راسخین
بھی ان آیات کی تفسیر نہیں جان سکتے اُنکی مراد اس سے وہ
کیفیت مخصوصہ ہے جو خدا ہی جانتا ہے نہ کہ لغوی اور لفظی
ترجمہ جو ہر ایک سمجھ سکتا ہے اسی واسطے **سلف صالحین**
مثل ربیعہ اور امام مالک وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کا استوا
تو معلوم ہے مگر کیفیت اسکی مجہول ہے۔ تمام **سلف صالحین**
مثل ابن الماجشون اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کا صفات باری
میں یہی مذہب ہے کہ استوا وغیرہ کے لغوی معنی مانکر کیفیت
کو خدا کے سپرد رکھتے ہیں۔ اپس استوا کے معنی معلوم
ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو تاویل اور تفسیر اسکی علماء راسخین جانتے
ہیں (یعنی لغوی اور لفظی ترجمہ) وہ معلوم ہو سکتا ہے) اور
کیفیت مجہول سے وہ تاویل مراد ہے جو تمام شیٔ آ درج ہو
مجہول ہے جسکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا نہ کہ لغوی ترجمہ
اسی طرح جن نعمائے جنت کے ہم کو وعدے دیگئے ہیں۔
بندوں کو انکی تفسیر یعنی لغوی ترجمہ جو خدا نے بتلایا ہے معلوم
ہے (مثلاً وہ جانتے ہیں کہ انار کسے کہتے ہیں۔ باغ اسکو
کہتے ہیں دودھ شہد کے معنے یہ ہیں وغیرہ اسی لئے تو انکو
اسکے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے) مگر کیفیت انکی
خدا ہی جانتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ بندوں کے لئے جو نعمتیں
مخفی ہیں انکو کوئی نہیں جان سکتا اور آنحضرت نے فرمایا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں مہیا کی ہیں جنکو
کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل پر
گذریں بس جو کچھ خدا نے بحکم مخلوق کی صفات بتلائی ہیں انکو

فهذا قول سائر السلف کابن
الماجشون والامام احمد بن
حنبل وغیرهم وهو غیره ان
من الصفات کمعنی الاستوا
معلوم وهو التاویل والتفسیر
الذی یعلمه الراسخون و
الکیفیة هو التاویل المجهول
[illegible] وهو علم الله تعالی
[illegible] الا الله ولکن ما وعد به
[illegible] الجنة نعلم العباد تفسیره ما
اخبر الله به واما کیفیته
[illegible] قال الله تعالی فلا تعلم
نفس ما اخفی لهم من قرة اعین
جزاء بما کانوا یعملون وقال
[illegible]
[illegible] یقول الله تعالی اعددت
لعبادی الصالحین ما لا عین
رأت ولا اذن سمعت ولا
خطر علی قلب بشر فما
اخبر الله به من صفات
المخلوقین نعلم تفسیره ومعناه
ونفهم الکلام الذی خوطبنا
به ونعقل العسل واللحم والخمر

والحرير والذهب والفضة ونفرق
بين مسميات هذه الاسماء واما
حقائقها على ما هي عليه فلا يمكن
ان نعلمها ولا نعلم حتى تكون الساعة۔
(شرح حديث النزول)

تو ہم جانتے ہیں اور جس کلام سے ہمکو مخاطب کیا گیا ہے اسکو ہم
بخوبی سمجھتے ہیں اور شہد۔ گوشت۔ دودھ ریشمی
لباس سونا اور چاندی وغیرہ کے معنے جنکے ملنے کا ہم کو
وعدہ دیا گیا ہے ہم جانتے ہیں اور ان کے مصداق
میں تمیز کر سکتے ہیں انار کو آم سے الگ اور خربوزہ کو
تربوز سے جدا جانتے ہیں لیکن انکی اصل حقیقت کا ہم کو علم حاصل ہونا ممکن نہیں اور جبتک
قیامت نہ قائم ہو ہم انکو جان نہیں سکتے۔"

اس کلام ہدایت نظام میں امام ممدوح نے دونوں گروہوں کا مطلب بتلایا ہے اور
فیصلہ دیا ہے کہ دونوں میں اختلاف لفظی ہے۔ اور کوئی حقیقی نزاع نہیں جس مطلب کا اقرار
ایک فریق کرتا ہے دوسرا اس سے انکاری نہیں اور جس کا وہ انکار کرتا ہے پہلا اس کا
قائل نہیں۔ ع "شکر خدا کہ میان من و او صلح فتاد"

فریق مئول صرف لفظی ترجمہ اور حسب محاورہ عرب مطلب بتلانے کا قائل ہے۔ فریق
مفوض اسکی کیفیت خدا کی سپرد کرتا ہے جس سے فریق مئول کو بھی انکار نہیں۔

دوسرے گواہ سے مراد میری امام **ابن دقیق العید** ہیں جو فن حدیث میں بہت سے
محدثین کے استاد ہیں آپ فرماتے ہیں۔

وتوسط ابن دقيق العيد فقال ان كان
التاويل قريبا من لسان العرب لم ينكر
(اتقان۔ بحث متشابهات)

جو تاویل عرب کے محاورہ کے مطابق
ہو اس کا انکار نہیں
ہو سکتا۔"

تیسرے گواہ بھی ایک ہی پائے کے بزرگ ہیں جو نہ صرف ظاہری دینی علوم
کے امام ہیں۔ بلکہ شیخ طریقت بھی ہیں یعنی حضرت **شیخ اکبر محی الدین ابن العربی** صاحب
الفتوحات مکیہ جنکو علم اور زہد۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا ایک جہان قائل ہے جنکی بابت امام
شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کان رضی اللہ عنہ متقیدا بالکتاب والسنۃ ویقول کل من
رمی میزان الشریعۃ من یدہ هلک یعنی شیخ رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث کے سختے پابند تھے

ور فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی شریعت کو ہاتھ سے چھوڑتا ہو تباہ ہوجاتا ہے۔ پھر امام موصوف نے شیخ کی قبولیت پر علما اور صلحا کے اقوال نقل کئے ہیں اور اُن پر سے الزامات شیخ کے اٹھا دیے ہیں اور بتلایا ہے کہ جن امور کی وجہ سے بعض علما شیخ اکبر سے ناخوش ہیں وہ شیخ پر محض افترا ہیں جس نے دیکھنا ہو وہ **یواقیت والجواہر** صفحہ ۴ پر دیکھ سکتا ہے پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں۔ کہ:-

فاعلم ان من الادب عدم تاويل آيات الصفات ووجوب الايمان بها مع عدم التكييف كما جاءت فان الله لو اراد منا ... على ذلك التاويل مراد الله بها لرسوله فتعين عليه امر ليس هو يريد له ... علينا فلهذا التزمنا التسليم في ما ... لكن عندنا في علم الله تعالى فاذا قيل لنا كيف يعجب ربنا وكيف يضحك ... قلنا انا مؤمنون بما جاء من عند الله على مراد الله وآمنا بما جاء من عند رسول الله على مراد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونكل علم الكيف في ذلك كله الى الله والى رسوله. ثم قال الشيخ رحمه الله تعالى قد جرح على ... من يقول آمنا بهذا اللفظ من غير ان يعقل له معنى في الباب ... الناس ... فقال من آمن ... من غير ان يعقل له معنى وقال

اللہ تعالیٰ کے ادب سے ہے کہ آیات صفات کی تاویل نہ کیجائے اور جیسی وہ آئی ہیں بلا کیف اُن پر ایمان لایا جاوے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس تاویل پر ہم اللہ کی مراد پاکر اس پر اعتماد کرسکیں یا مراد نہ پاویں تو وہ ہم پر رد کردیجاوے اسی وجہ سے جن چیزوں کا علم ہم کو نہیں ہوسکتا اُن کو ہم نے خدا کے فرمودہ پر تسلیم کرلیا ہے پھر اگر ہمیں کوئی کہے کہ خدا جو تعالیٰ کیونکر تعجب کرتا یا خوش ہوتا ہے تو ہم اسکو کہینگے کہ جو کچھ حکم خدا کے رسول کیطرف سے پہنچا ہے جو کچھ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے ہم بھی اسی پر ایمان لاتے ہیں اور اسکا علم خدا اور رسول کی سپرد کرتے ہیں۔ یہ کلام شیخ کا نقل کرکے حضرت شعرانی جناب مصنف یواقیت والجواہر فرماتے ہیں۔ شیخ ممدوح نے اس عقیدہ والے کو برا کہا ہے جو یہ کہے کہ ہم اس لفظ (آیات متشابہات) پر بغیر کوئی مطلب سمجھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو کوئی بغیر معنے سمجھے کے ایمان لاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اس کلام پر ایمان لاتے ہیں انکو آپ

فيجعل نفوسنا في الايمان به حكم من لم يسمع به ويبقى على ما اعطاه دليل العقل من احالة مفهوم هذا الظاهر من القول ... على المفاهيم بحسن عبارة في جعلهم نفوسهم بحكم من لم يسمع الخطاب ... من هؤلاء طائفة تقول ايضا نؤمن بهذا اللفظ على علم الله فيه وعلم رسوله فنسأل هؤلاء ... الا ان الله تعالى قد خاطبنا بما لا نفهم يجعلوا ذلك كالعبث والله تعالى يقول وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم وقد جاء بهذا فقد بان صلى الله عليه لنا كما امره الله تعالى۔

قال في الباب السابع والسبعين والله عليك يا اخي بالتسليم لكل ما جاءك من آيات الصفات واخبارها فان اكثر المتأولين هالكون واخف الطريق حال من قال لا نشك في صدق رسولنا ولكن اتانا ... الذي رسله الينا بامور ...

کو ایسا بناتے ہیں کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں اور وہ اس خیال پر بھی جمے رہتے ہیں کہ جو دلیل عقلی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام (آیات متشابہات) کا ظاہری مفہوم خدا کی شان میں محال ہے (شیخ موصوف فرماتے ہیں) ایسے لوگ ایک لطیف عبارت سے خدا پر تحکم روا رکھتے ہیں کیونکہ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا ہم نے خطاب الٰہی سنا ہی نہیں۔ اسی گروہ میں سے ایک گروہ وہ ہے جو اس لفظ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ کہکر کہ اسکا علم خدا اور رسول کو ہے یہ لوگ گویا اپنی زبان سے صاف اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسے کلام سے مخاطب کیا ہے جسکو ہم نہیں سمجھتے گویا انہوں نے کلام الٰہی کو عبث اور بے فائدہ بنایا ہے حالانکہ خدا فرماتا ہے جو رسول ہم نے بھیجا ہے وہ اس قوم کی زبان کے محاورات پر بولنے والا بھیجا ہے تاکہ انکو کلام الٰہی کا مطلب واضح کرکے بتلا دے چنانچہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طریق سے آئے اور آپ نے خدا کے حکم کے مطابق بیان کیا۔

پھر فرمایا اے بھائی آیات صفات خداوندی کو تسلیم کر اکثر متاولین انہیں تاویل کرکے ہلاک ہوگئے ہیں سب سے آسان طریق ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم کو رسول علیہ السلام کے سچا ہونے میں ذرا شک نہیں لیکن چونکہ رسول علیہ السلام ہمارے پاس اللہ کے بیان کو مطابق کبھی ایک امور لائے ہیں اگر انکو معنے کو خدا کی ذات

عند ظاهرها حملناها على ديننا كما حملناها على نفوسنا ادى ذلك الى حدوثه وزوال كونه الٰها علينا وقد ثبت كونه تعالى الٰها عندنا فنظر هل كذلك معروف في اللسان فان الرسول انما يرسل بلسان قومه … فاتوا عليه فنظروا فاذا هم … الله الى تنزيه الحق تعالى عما يصف … فلسفه …	کی نسبت ہم ایسا قیاس کریں جیسا کہ ہم اپنی ذات پر کرتے ہیں تو اُس کا حادث ہونا اور الوہیت کا ابطال لازم آوے حالانکہ وہ معبود برحق ہو تو ایسی صورت میں ہم دیکھیں گے کہ موافق محاورہ زبان عرب کے اُس کے لئے کچھ صحیح مطلب ہو سکتا ہو کیونکہ رسول ہمیشہ اپنی قوم کی زبان کے محاورات پر آیا کرتے ہیں پس انہوں نے غور کیا تو عرب کے محاورے کے مطابق اُس کلام نے خدا کی پاکی بتلائی۔

تقریر بالا اپنا مدعا بتلانے میں صاف ہے کہ حضرت موصوف باوجودیکہ صفات باری میں خوض … اور اکثر مؤولین کو سخت گمراہی بلکہ ہلاکت میں بتلاتے ہیں مگر پھر بھی خود تاویل کرتے ہیں لیکن وہ تاویل جسکی لغت سے شہادت ملے اسکو تو قبول کرتے ہیں اور جسکی لغت یا محاورہ عرب اجازت نہ دے اور تائید کرے اسکو قبول نہیں کرتے بلکہ موجب ہلاکت جانتے ہیں۔ دونوں مطلبوں کی دلیل ایک ہی آیت ہے جسکا مطلب بھی ہم جو فصل اول میں بتلا آئے ہیں کہ تفسیر وہی صحیح ہے جسکی شہادت محاورات عرب سے ملے۔ اس شہادت بالغت نے فیصلہ کر دیا کہ نہ ہر ایک تاویل مردود ہے اور نہ ہر ایک مقبول۔ بلکہ یہ بھی بتلا دیا کہ جس تاویل کی لغت اور محاورہ عرب شہادت دے۔ وہ تفویض کے خلاف نہیں۔ محاورہ عرب کے مطابق کلام کا ترجمہ کریں گے اور کیفیت اُس کی خدا کے سپرد۔ یہی خاکسار کا مذہب ہے نعم الوفاق وحبذا الاتفاق۔

اب ہم ایک آیت پر ان قواعد کو جاری کرتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (پارہ ۸ ع ۲)	بیشک تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔

اس آیت میں استوا کا لفظ صفات الٰہیہ سے ہے جسکی تحقیق یہاں … مدنظر ہے۔ حسب قاعدہ مذکورہ ہم لغت کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو انہیں … استویٰ کے معنے غلبہ یا حکمرانی کے ہیں چنانچہ صحاح جوہری کی عبارت …

استوى الى السماء اى قصد واستوى اى استولى وظهر وقال … قد استوى بشر على العراق من غير سيف ودم مهراق (جوہری)	لکھا ہے کہ استویٰ کے معنے قابو پانے اور … ہیں پھر عرب کا ایک شعر بھی نقل کیا … معنے ہیں کہ بشر عراق پر مستوی ہوا …

بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے غالب آیا۔

شرح مواقف میں اس دعویٰ پر کہ آیت میں استوی سے مراد غلبہ قدرت ہے یہ شعر عرب کا نقل کیا ہے۔

فلما علونا واستوينا عليهم + جعلناهم مرعى لنسر وطائر

ایسا ہی قاموس۔ صراح۔ جاسوس علی القاموس۔ تاج العروس۔ لسان العرب وغیرہ۔ لغت کی کتابوں میں استویٰ کے معنے غلبہ و حکمرانی کے … ہیں مگر چونکہ ان سب میں جوہری کا رتبہ مقدم ہے نیز انہوں نے … دیا ہے اسلئے جوہری کی عبارت ہی پر قناعت ہے۔

اسی لئے امام رازی نے قفال کا قول نقل کرکے تصحیح …

قال القفال العرش في كلامهم هو السرير الذي يجلس عليه الملوك ثم جعل العرش كناية عن نفس الملك يقال ثل عرشه اي انتقض ملكه وفسد واذا استقام له ملكه واطرد امره وحكمه قالوا استوى على عرشه واستقر على سرير ملكه۔ واقول ان الذي قاله القفال حق …	موصوف لکھتے ہیں کہ قفال نے کہا کہ عرش … محاورہ میں اُس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ … کہتے ہیں پھر عرش سے مراد خود ملک ہو گیا … کہا کرتے ہیں کہ ثل عرشه یعنی اسکا ملک … اور وہ منتشر ہو گیا اور جب اس کو … اور حکم جاری ہو تو کہتے ہیں استویٰ … علی سریر ملکہ یعنی بادشاہ کے کامل انتظام … استعمال کہتے ہیں۔ یہ قول نقل کرکے

صدق وقوله وقطعه فلان طويل النجاد والرجل
الطويل فلان طويل النجاد والرجل
المراد بكثرة الضيافة كثير الرماد
(تفسیر کبیر ج۲ صفحہ ۲۲۳)

ہیں- قفال نے جو کہا ہے حق- صدق اور بالکل درست ہے- اسکی نظیر یہ ہے جیسے لمبے قد والے آدمی کو طویل النجاد (لمبے پر تلہ والا) کہا کرتے ہیں اور جس کی مہمانی زیادہ آتے ہوں اسکو کثیر الرماد (بہت سی راکھ والا) کہتے ہیں۔

استوى على العرش اى استوى
امره او استولى (بيضاوى سورة الرعد)

ایسا ہی تفسیر بیضاوی میں ہے کہ استویٰ کے معنی ہیں کہ اللہ کا حکم یا وہ غالب ہوا۔

(استوى استولى على العرش مدارك اعراف)

تفسیر مدارک میں بھی یہی کہا ہے-

الاصل الثانى العلم بانه تعالى مستو على عرشه بالمعنى الذى اراد الله تعالى بالاستواء وهو الذى لا ينافى وصف الكبرياء ولا يتطرق اليه سمات الحدوث والفناء وهو الذى اريد بالاستواء الى السماء وليس ذلك الا بطريق القهر والاستيلاء كما قال الشاعر قد استوى بشر على العراق من غير سيف ودم مهراق ۔

(احياء العلوم- قواعد العقائد)

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ خدا کے استواء علی العرش کا عقیدہ رکھنا چاہیے انہی معنے سے جو اس نے ارادہ کئے ہیں- پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ وہ معنی جو خدا کی مراد ہے یہی ہے کہ استویٰ کے معنی قہر اور غلبہ کے ہیں- پھر ان معنے کی شہادت پر وہی شعر نقل کیا ہے جو ہم نے صفحہ پر صحاح جوہری سے نقل کیا ہے۔

تعجب ہے لوگ جلدی میں ایسے اقوال کو قدیم معتزلہ یا آجکل کے نیچریہ اور مرزائیہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور عوام میں ان معنوں کی بے اعتباری کرنے کو صرف اتنی بات کافی ہے کہ یہی معنی سید احمد خان اور مرزا قادیانی بھی کرتے ہیں گو ان دونوں کے نزدیک کسی قول کا ان کی طرف کسی کلام کا نسبت ہونا ہی حسن یا قبح پیدا نہیں کرسکتا بلکہ حسن و قبح دلیل اور عدم دلیل پر متفرع ہے ہم ایسے جلد بازوں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جن بزرگوں کے اقوال ہم نے نقل کئے ہیں یہ تو مرزائی یا نیچری نہ تھے بلکہ اہل سنت والجماعت تھے

اور اگر وہ صاحب ان بزرگوں سے ناآشنا ہوں یا دانستہ تجاہل کریں تو وہ ذرہ امام سیوطی کی **اتقان** ملاحظہ کریں جس میں امام موصوف لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے طریق پر

ذكر ما وقفت عليه من تاويل الآية المذكورة على طريقة اهل السنة من ذلك صفة الاستواء وحاصل ما رأيت فيها سبعة اجوبة ... ثانيها ان استوى بمعنى استولى ورد بوجهين احدهما ان الله تعالى مستول على الكونين والجنة والنار واهلها فاى فائدة فى تخصيص العرش والآخر ان الاستيلاء انما يكون بعد قهر وغلبة والله سبحانه منزه عن ذلك (اتقان - محكم ومتشابه)

جہانتک مجھ کو معلوم ہوا استویٰ کی آیت کے سات معنی منقول ہوئے ہیں پھر ان ساتوں کو نقل کیا ہے جنمیں دوسرے معنے استوی کے استیلاء یعنی غلبہ اور حکمرانی کے کئے ہیں۔

گو ان معنے پر امام موصوف نے اعتراض کیا ہے کہ استیلا خدا کی شان میں صحیح نہیں ہو سکتا- کیونکہ خدائے تعالیٰ تو دونوں جہانوں اور جنت جہنم اور ان کے رہنے والوں غرض تمام مخلوق پر غالب ہے پھر عرش کی تخصیص سے کیا فائدہ- دوسرا سوال امام موصوف نے یہ نقل کیا ہے کہ استیلاء اس موقع پر ہوتا ہے جہاں کوئی مقابل بھی ہو اور اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک ہے"

انما خص الاستيلاء بالعرش لانه
كان سبحانه وتعالى مستوليا على
جميع المخلوقات لان العرش اعظمها
واعلاها (مدارك اعراف) -

پہلے سوال کا جواب صاحب تفسیر مدارک نے دیا ہے کہ استیلا کو عرش کیطرف اسلئے نسبت کیا ہے کہ عرش سب مخلوق سے بڑا ہے جب بڑی سے بڑی مخلوق پر بھی خدا قابض و متصرف ہے تو اوروں پر بطریق اولیٰ ہوگا-

دوسرے سوال کا جواب بھی ان مصنفوں نے یہ دیا ہے کہ کبھی لغت کی کتاب میں نہیں لکھا کہ استیلاء کے لئے مقابل ہونا ضروری ہے بلکہ استیلاء و قہر کے ایک ہی معنی ہیں حالانکہ قاہر اور قہار کا لفظ خدا کے لئے قرآن شریف میں موجود ہے- چنانچہ صحاح میں استیلاء کے معنی لکھے ہیں تمام و درست یا قبضہ ہر چیز کے وہ جس کا بھی مطلب ہو جو ہم نے تفاسیر سے نقل کیا ہے اسی صاحب صراح نے استوی کے معنی اسی استیلاء سے

کرتے ہیں چنانچہ کہتا ہے استوی علیہ ای استولیٰ علیہ وظہر یعنے استوا کے معنے
استیلاء یعنی غلبہ اور قدرت کے ہیں پس معلوم ہوا کہ استیلاء میں یہ دخل نہیں کہ اعضاء
اور جوارح بھی ہوں۔

اس تفصیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ **مفوضین** اور **مؤولین** کے درمیان
اس مسئلہ میں حقیقی اختلاف نہیں جیسا کہ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ان آیات کا حسب محاورہ
عربیہ ترجمہ کرنا بھی مفوضین کے مشرب کے خلاف ہے حالانکہ محققین کے نزدیک جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن تیمیہ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہما اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات منقولہ بالا سے
معلوم ہوتا ہے۔ یہ اختلاف صرف لفظی ہے چنانچہ صاحب مدارک سے باوجودیکہ خود حنفی

والمنقول عن الصادق والحسن وابی حنیفة ومالک رضی اللہ عنہم ان الاستواء معلوم والتکییف فیہ مجہول والایمان بہ واجب والجحود لہ کفر والسؤال عنہ بدعۃ [illegible]	ہیں اور امام جعفر صادق و خواجہ حسن بصری اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہم کے اقوال یہ نقل کرتے ہیں کہ استوا معلوم ہے اور کیفیت اسکی مجہول ہے۔ اور

سوال بدعت ہے"

گو کہ اس جگہ خود استوی کے معنے استولیٰ کے کئے ہیں چنانچہ انکا قول بھی ہم نقل کر
آئے ہیں اسلئے کہ الاستواء معلوم ایک قضیہ حملیہ ہے جس میں الاستواء موضوع ہے
اور معلوم اس کا محمول ہے۔ مگر اس کا با محاورہ ترجمہ بھی جانتے ہیں تو پھر معلوم کا ترجمہ کیا ہے؟
ہاں اسکی کیفیت کہ خدا تعالیٰ کس طرح حکمرانی کرتا ہے اس کا غلبہ اور تنفیذ احکام کیونکر
ہے۔ یہ **کیفیت** ہے جسکو کوئی انسان معلوم نہیں کر سکتا۔

پس خاکسار کا بھی یہی مذہب ہے کہ استوا معلوم ہے اور کیفیت اسکی مجہول ہے
اور ایمان واجب ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام منقولہ سابق سے ثابت ہوتا ہے
کہ لفظی ترجمہ تو معلوم ہے مگر کیفیت مجہول ہے۔

آئندہ تفسیر ہر مسئلہ میں اگر کسی صاحب کو اس تاویل پر جو امام رازی۔ **بیضاوی**
غزالی وغیرہ رحمہم اللہ سے مروی نقل کی ہے [illegible] ہو تو ان مرحومین پر [illegible] حسن ظن ہی [illegible]

تو وہ اس زمانہ کے ایک باخبر اہلحدیث بلکہ ایڈووکیٹ (وکیل) اہلحدیث کی سفارش
ہی منظور کریں جن سے ہماری مراد مولانا ابو سعید **محمد حسین** صاحب بٹالوی ایڈیٹر
اشاعت السنہ ہیں۔ آپ باوجودیکہ مفوض ہیں ایسے ویسے مفوض بھی نہیں۔ بلکہ
یہاں تک کہ قرب و معیت کی صفات آلہی میں بھی تاویل کو پسند نہیں کرتے تاہم لکھتے ہیں کہ

"پچھلے بڑے امام مفسر و محدث مذہب تاویل کو پسند کرتے ہیں
اور جا بجا آیات و احادیث صفات میں تاویلیں کرتے ہیں اگر
کتب متداولہ کتب تفسیر و حدیث و شروح حدیث کو
ملاحظہ کیا جاتا ہے تو ان میں امام نووی جیسے محدثوں اور
امام رازی و بیضاوی جیسے مفسروں کو اسی تاویل پر
دیکھا جاتا ہے و مع ہذا ان کو کوئی مسلمان کافر یا مبتدع نہیں
کہتا" (اشاعۃ السنہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۶)

پھر بھی فرماتے ہیں کہ:-

"یہی وجہ ہے کہ پچھلے زمانہ کو باخبر اہل سنت جو اقوال سلف
و خلف پر نظر رکھتے ہیں باوجودیکہ وہ خود صفات باری میں
تفویض کا اعتقاد رکھتے ہیں اپنے مخالفین اشاعرہ و ماتریدیہ
وغیرہ متکلمین کو جو استوا وغیرہ صفات کی تاویلیں کرتے
ہیں کافر نہیں کہتے"

پھر اسپر نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا قول رسالہ احتواء سے نقل کیا ہے جس کا
خلاصہ یہ ہے کہ:-

"متکلمین اشعریہ اور ماتریدیہ اور حنبلیہ میں چند مسائل میں اختلاف ہے
اور یہ سب اختلافات نزدیک محققین کے اختلاف لفظی و نزاع صوری
ہیں۔ اسی لئے ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل نہیں کرتے"

اس قول کو نقل کر کے مولوی صاحب بطور نتیجہ کے لکھتے ہیں کہ:

اس کلام ہدایت نظام میں نواب صاحب بھوپال نے داد حق دینے میں کمال کیا اور اس وقت کے کم علموں کو جو اپنے فہم و خیال سے کسی کو مؤول کسی کو منکر صفات بنا کر دائرہ اسلام یا اہل سنت سے خارج کرتے ہیں اور سنی و ناجی اسی شخص کو سمجھتے ہیں جو انکا ہمخیال و ہم مقال ہو۔ خوب متنبہ کیا ہے کہ انکا یہ خیال و مقال انکی بے علمی کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کی تاویل یا انکار ضروریات دین یا لوازم اہل سنت سے انکار نہیں کہلاتا بلکہ یہ تاویل یا انکار اس تاویل یا انکار کی مانند ہے جو فروعی مسائل میں ہر کوئی اپنے مخالف کی زعم میں کرتا ہے "ومع ذلک وہ دائرہ اسلام یا اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا"

(اشاعۃ السنۃ [illegible] جلد [illegible] صفحہ [illegible])

خاکسار راقم کہتا ہے کہ مولانا صاحب نے اپنا فرض منصبی [illegible] ایڈیٹر اہل حدیث ہونے کے آپ پر تھا ادا کیا۔ تاہم میں انکا شکرگزار ہوں کہ انکا عمل [illegible] نہیں۔ بلکہ علاوہ ازیں مجھ جیسا ہیچ علم کے زعم میں اپنے مخالف آپ کو خواہ وہ کیسا ہی مستند فاضل ہی کیوں نہ ہو جاہل بلکہ اجہل قرار دیا کرتے ہیں خوب ہی سبق پڑھایا ہے جزاہ اللہ [illegible]۔

الحمدللہ کہ آج ہماری تقریر سے سنت کے بچھڑے ہوئے دو دوست مؤولین اور مفوضین کا ملاپ ہو گیا۔ اسی ملاپ کرانے کو ہم نے [illegible] اسلام میں وعدہ کیا تھا

فالحمدللہ

ما برائے وصل کردن آمدیم جو کہ احباب سے احباب کو جدا کر دے	نے برائے فصل کردن آمدیم جیسے اس کی تمثیل ابلیس کا نام جانا

اور اگر اس پر بھی کوئی صاحب اس اختلاف کو حقیقی اختلاف سمجھیں اور اپنی خیالی تفویض کرنا ضروری سمجھیں اور حسب محاورہ عرب آیات مرقومہ کے معنے کرنے کو ناجائز سمجھیں وہ براہ مہربانی اس بات کی کوئی دلیل بتلاویں یعنی کوئی آیت یا حدیث پیش کریں کہ ان آیات کے کوئی معنے نہیں بلکہ ان پر صرف ایمان لانا چاہیئے مطلب انکا سمجھنا [illegible] ہو لیکن ہم تو

گذارش کرتے ہیں کہ جبتک انکو کوئی آیت یا حدیث اس دعوے پر نہ ملے اس رسالہ کی پہلی فصل بلاحظہ فرماویں جس کا خلاصہ یہ ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

اور اگر وہ باوجود بے دلیل ہونے کے صرف مفوضین کا مذہب ہی اس مذہب کی دلیل بناویں تو ہم بانی کے ذرہ دور مصرع کے معنے پر غور کریں اور اگر اس لفظ کو معقولی اصطلاح سمجھ کر بھی توجہ نہ کریں تو پھر یہ گذارش ہے کہ اہل حدیث ہی کا یہ مذہب ہے کہ بے دلیل کسی کی بات سند نہیں پس ہم نے جب انہی بزرگوں سے یہ سیکھا ہے کہ بغیر قرآن و حدیث کے کوئی رائے قابل قبول نہیں تو پھر ہم انہی سے ایسا معاملہ کیوں کریں جو انکی تعلیم ہی کے خلاف ہو کہ بے دلیل انکی رائے کی پابندی کرنے لگ جائیں۔ پس وہ آیت یا حدیث پیش ہونی چاہیئے جس کا یہ مضمون ہو کہ ان آیات کا حسب محاورہ عرب ترجمہ مت کرو۔

اصل یہ ہے کہ کوئی فرقہ یا کوئی شخص سوائے پیغمبر علیہ السلام کے یہ رتبہ نہیں رکھتا کہ محض اس کا خیال یا مذہب کسی بات میں سند ہو سکے۔ بھلا اگر اہل سنت یا اہل حدیث کی کوئی بات یا بلا دلیل مذہب بھی حجت یا دلیل ہو تو اسی دلیل سے ہم شیعوں کو بھی مغلوب کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یا شیعہ اپنے سلف کے خیالات پیش کر کے اہل سنت پر غلبہ پا سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) تو پھر جب دلیل سے اہل سنت یا اہل حدیث نے کسی عقیدہ یا مذہب کو اختیار کیا ہو۔ وہ دلیل بیان ہونی چاہیئے نہ کہ صرف انکا مذہب۔ تمام محدثین اور مجتہدین کی یہی روش تھی کہ کسی شخص کی محض رائے کو دین میں حجت نہیں جانتے تھے **اہل حدیث** کی تو فیصلہ حد فاصل ہی یہی ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن۔
پس حدیث مصطفےٰ بر جاں مسلم داشتن۔

تمت

اخبار اہل حدیث
امرتسر

اس اخبار کی اغراض یہ ہیں:-

(۱) دین اسلام اور سنت نبی علیہ السلام کی اشاعت اور حمایت کرنا۔

(۲) مخالفین اسلام اور سنت نبی علیہ السلام کو جوابات دینا۔

(۳) مسلمانوں کی دینی اور دنیوی خدمات کرنا۔

(۴) چیدہ چیدہ اور صحیح خبریں درج کرنا۔

ہفتہ وار ہر جمعہ کو شایع ہوتا ہے۔ عام قیمت سالانہ مع محصول [illegible]

المشتہر

مہتمم مطبع اہل حدیث امرتسر (پنجاب)

فہرست کتب مصنفہ مولوی فاضل ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

تفسیر ثنائی اردو
جلد اول سورہ فاتحہ و بقرہ [illegible]
جلد دوم آل عمران و نساء [illegible]
جلد سوم مائدہ ۔ انعام ۔ اعراف [illegible]
جلد چہارم انفال تا کہف [illegible]
چاروں جلدیں یکجا لینے والوں کو [illegible]

اسلام و برٹش لاء
سیاست محمدیہ اور قوانین انگریزیہ کا مقابلہ اسلامی قانون کی فضیلت [illegible]

اہلحدیث کا مذہب
فرقہ اہلحدیث کن مسائل کو مانتے ہیں [illegible]

اسلامی تاریخ آنحضرت کی زندگی
کے حالات طیبہ طرز حکایات [illegible] نہایت مفید [illegible]

حدیث نبوی اور تقلید شخصی
حدیث مرفوع اور تقلید شخصی پر بحث اور منکرین حدیث کو جواب [illegible]

الہامات مرزا ۔ مرزا قادیانی کے الہاموں کی تردید [illegible]

تفسیر القرآن بکلام الرحمن
عربی زبان میں [illegible] کی تفسیر [illegible]

ترک اسلام [illegible]

حق پرکاش [illegible]

عورت کی زندگی [illegible]

شریعت و طریقت [illegible]

حدوث دنیا [illegible] آریوں سے مباحثہ [illegible]

حدوث وید [illegible]

اسلام علیکم [illegible]

ہفوات مرزا ۔ مرزا قادیانی کے [illegible] مضامین [illegible]

خصائل النبی شمائل ترمذی کا بامحاورہ [illegible] ترجمہ [illegible]

تقابل ثلاثہ ۔ توریت انجیل قرآن کا مقابلہ قرآن شریف کی فضیلت [illegible]

ادب العرب [illegible]

الہامی کتاب [illegible] کی فضیلت [illegible]

بحث تناسخ [illegible]

نماز اربعہ [illegible] اسلامی نماز کی فضیلت [illegible]

رسوم اسلامیہ [illegible] اتباع سنت کی تاکید [illegible]

ہدایۃ الزوجین [illegible] بیان [illegible]

تہذیب کے احکام [illegible]

کل کتابیں [illegible] مصنف موصوف سے بپتہ شہر امرتسر مل سکتی ہیں